اسلام کا تصوّرِ الوہیّت

حجۃ الاسلام والمسلمین سید سعید اختر رضوی دام ظلہ العالی

المعارف فاؤنڈیشن

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسلام کا
تصوّرِ الوہیّت

وُجودِ خدا اور وَحدانیتِ الٰہی پر ایک استدلالی کتاب جس میں
خُدا پرستوں کے دلائل کے ساتھ مادّہ پرستی اور دُوسرے
مکاتبِ فکر کے نظریات کا مُوازَنہ کیا گیا ہے

Presented By: https://jafrilibrary.com

مصنف :
حجۃ الاسلام والمسلمین سید سعید اختر رضوی دام ظلہ العالی
(دارالسلام)

مترجمین :

حجۃ الاسلام محمد تقی رحیمیان
(قم - ایران)

حجۃ الاسلام سید محمد رضوی
(ٹورانٹو - کینیڈا)

Presented by: https://jafrilibrary.com

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کسی بھی صورت میں
ناشر و محقق کتاب کی اجازت کے بغیر ممنوع ہے۔

نامِ کتاب : اسلام کا تصوّرِ الوہیّت

مصنف : علامہ سید سعید اختر رضوی (طاب ثراہ)

مترجمین : سید محمّد رضوی
محمد تقی رحیمیان

سنۂ اشاعت : طبع اول : ۱۴۱۵ھ ، ۱۹۹۵ء
طبع دوم : ۱۴۴۵ھ ، ۲۰۲۳ء

آئی ایس بی این : ۳-۲۴-۹۲۰۶۷۵-۰-۹۷۸

جلد کی تصویر بشکریہ freepik

ناشر:

المعارف فاؤنڈیشن

ٹورانٹو، کینیڈا

www.al-m.ca | publications@al-m.ca | (+1-416) 624-7861

PDF Version: 5

Presented By: https://jafrilibrary.com

فہرست

عرض مصنّف ۱

حصّہ اوّل : خدا پر ایمان

۱۔ خدا پر ایمان : ایک فطری تقاضا ہے ۴
۲۔ ہستی و نیستی یا وجود و عدم ۴
۳۔ نقطۂ آغازِ جہاں ۷
۴۔ ازلی کے ذاتی صفات ۸
۵۔ کیا مادّہ ازلی ہے؟ ۱۱
۶۔ مادّہ کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی ۱۱
۷۔ خِلقتِ کائنات کے متعلق دو مفروضے ۱۳
۸۔ مادّہ سرچشمۂ حیات نہیں ۱۵
۹۔ خدا پرستی بمقابلہ اِلحا دودہریت ۱۶
۱۰۔ کچھ مکالمے ۱۸
۱۱۔ دین بمقابلہ ڈارون ازم ۲۰
۱۲۔ ڈارونسٹوں کی گمراہی ۲۴
۱۳۔ رسل کا استدلال ۲۶
۱۴۔ کیا خلقت محض ایک اتفاق کا نتیجہ ہے؟ خالق کے بغیر؟ ۳۱
۱۵۔ "لَااَدْرِیَہ" کے لئے مفوظ ترین راستہ ۳۹
۱۶۔ کائنات : وحدانیتِ الٰہی کی ایک روشن دلیل ۴۱
۱۷۔ خدا پر ایمان کے سات دلائل ایک سائنس داں کی زبانی ۴۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حصّہ دوم: خدا کی وحدانیت

۱۸۔ واحِد کے معنی ۵۶

۱۹۔ خدا ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا ۵۸

۲۰۔ شِرک کے معنی ۵۹

۲۱۔ توحید پر رسولِ اکرم ﷺ کی گفتگو ۶۰

۲۲۔ اسلام اور یہودیت ۶۱

۲۳۔ توحید اور تثلیث ۶۳

۲۴۔ توحید اور ثنویت ۶۵

۲۵۔ توحید اور بُت پرستی ۶۶

حصّہ سوم: توحید

۲۶۔ اسلام میں توحید کا تصور ۷۱

۲۷۔ اللہ تعالٰی کے صفات ۷۲

۲۸۔ خدا کے نام ۷۵

۲۹۔ الاسماءُ الحسنٰی ۷۶

۳۰۔ صفاتِ ذات اور صفاتِ افعال ۸۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

عرض مصنّف

اس کتاب کی انگریزی اصل "GOD OF ISLAM" کے نام سے بلال مسلم مشن آف تنزانیہ کے "اسلامی مراسلاتی کورس" کے دوسرے حصے کے طور پر ۱۹۷۱ء میں شائع کی گئی تھی۔ بلال مسلم مشن آف تنزانیہ (داراسلام) اور بلال مسلم مشن آف کینیا (ممباسا) کی طرف سے اس کے بہت سے ایڈیشن شائع ہوتے رہے ہیں۔ ورلڈ آرگنائزیشن فار اسلامک سروسز (WOFIS) تہران نے اب تک اس کے تقریباً پچاس ہزار نسخے پوری دنیا میں تقسیم کئے ہیں۔ ورلڈ اسلامک نیٹ ورک (WIN) ممبئی نے اسے اس کے نئے نام "GOD: AN ISLAMIC PERSPECTIVE" کے ساتھ ہندوستان میں تقسیم کرنے کے لئے شائع کیا۔ حال میں اس کا ایک ایڈیشن نیویارک سے پندرہ ہزار کی تعداد میں نشر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے کئی ابواب ہندوستان، ریاستہائے متحدہ امریکہ اور دوسری جگہوں کے اسلامی جرائد میں نقل کئے گئے ہیں۔ حقیر مصنف کتاب کی اس مقبولیت پر خداوند متعال کی بارگاہ میں امتنان وتشکر کے جذبات کے ساتھ سر بسجود ہے۔

اس کتاب کا سواحلی ترجمہ تقریباً بیس سال قبل داراسلام سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد تھائی زبان میں اور حال ہی میں ملایا زبان میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ ۱۹۸۱ء کے قریب حجۃ الاسلام محمد تقی رحیمیان اور نور چشم سید محمد رضوی حفظھما اللہ نے قم (ایران) میں انگریزی کو اردو کا لباس پہنایا۔ وہ ترجمہ مدرسۃُ الواعظین (لکھنؤ) کے اردو ماہنامہ "الواعظ" میں بالاقساط شائع ہوا۔ اور اس اردو کا ہندی ترجمہ جناب الحاج چودھری سید سبط محمد نقوی صاحب، ایڈیٹر "ہماری توحید" (ہندی پندرہ روزہ) نے اپنے رسالہ میں بالاقساط شائع کیا۔

مجھے ۱۹۹۳ء میں خیال آیا کہ اس اردو ترجمہ کو کتابی شکل میں شائع ہونا چاہئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔ چنانچہ ترجمہ پر نظرثانی کی اور حاشیہ میں حوالے اور ضروری توضیحات درج کردیئے۔ جنوری ۱۹۹۴ء میں کراچی جانا ہوا تو اس کا مسودہ الحاج احمد علی محمد جعفر کے سپرد کردیا کہ وہ اپنے اہتمام سے اسے چھپوادیں۔ موصوف کے والد ماجد الحاج علی محمد جعفر شریف

Presented by: https://jafrilibrary.com

(ممباسا) عمر میں مجھ سے بہت بڑے ہیں لیکن تبلیغی سرگرمیوں اور بلال مسلم مشن کے معاملات میں میرا ان کا ساتھ ۱۹۶۳ء سے ہے اور ایک اٹوٹ جذبۂ اخوت نے ہم دونوں کو باہم منسلک کر دیا ہے۔ اور اسی بناء پر ان کے تمام صاحبزادگان مجھے اپنا بزرگ دوست سمجھتے ہیں۔ میں حاجی احمد صاحب سلمہ اللہ کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری فرمائش پوری کی اور اب یہ کتاب ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچنے والی ہے اِنشاءَ اللہ۔

میں بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا ہوں کہ وہ اس کتاب کے مترجمین و ناشرین اور ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس کی طباعت و اشاعت میں ہاتھ بٹایا ہے۔ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہِ الطَّاہِرِیْنَ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

فقط

احقر سید سعید اختر رضوی

نزیل ٹورانٹو (کینیڈا)

یکم رمضان ۱۴۱۵ھ مطابق یکم فروری ۱۹۹۵ء

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حصّہ اول

خدا پر ایمان

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۔ خدا پر ایمان : ایک فطری تقاضا ہے

خدا پر ایمان انسان کے دوسرے فطری تقاضوں کی طرح ایک فطری تقاضا ہے۔ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمائش کی کہ آپ اسے بتا دیں کہ خدا کیا ہے۔ امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی کشتی کا سفر کیا ہے۔ اس نے کہا: "ہاں۔"

امام علیہ السلام نے اس سے سوال کیا: "آیا تم کبھی ایسے شدید طوفان میں پھنسے ہو کہ تمہاری کشتی ٹوٹ گئی ہو اور کوئی دوسری کشتی بھی قریب نہ ہو جو تمہیں بچا سکے اور نہ ہی تیر کر تم دریا پار کر سکتے ہو۔" اس بار بھی جواب "ہاں" تھا۔

امام علیہ السلام نے پھر سوال کیا: "کیا اس تمام گھٹا ٹوپ مایوسی میں تمہارے دل کی گہرائیوں میں امید کی ایک کِرن موجود نہ تھی کہ کوئی طاقت (جس کا نام بھی نہیں معلوم) اب بھی تمہیں اس گرداب سے بچا سکتی ہے۔" جواب اثبات میں ملا تو امام علیہ السلام نے کہا: "وہی طاقت خدا ہے جو اس موقع پر نجات دیتا ہے جہاں کوئی بچانے والا نہ ہو اور وہاں مدد کرتا ہے جہاں کوئی مددگار نہ ہو۔"

وہ شخص ذہین اور سمجھدار تھا۔ حقیقت کو دل کی بصارت سے مشاہدہ کرتے ہی پہچان گیا۔[۱]

۲۔ ہستی و نیستی یا وجود و عدم

اصل مسئلہ پر گفتگو کرنے سے قبل چند اہم اِصطِلاحات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے۔ یہ اصطلاحات "وجود" اور اس کے اقسام سے متعلق ہیں۔

ہم ہزاروں چیزوں کے بارے میں سوچتے ہیں۔ ہم گھوڑے، انسان، ہوائی جہاز، زمین، ٹرین اور کتاب کا تصور کر سکتے ہیں۔ اور ان تمام اشیاء کی تصویروں کو اپنے ذہن کے پردے پر دیکھتے ہیں۔ اس قسم کے "وجود" یا "ہستی" کو ہم "وجودِ ذہنی" کہتے ہیں، یعنی ان تمام چیزوں کا وجود محض ہمارے

۱۔ علامہ مجلسی، بحار الانوار (طبع جدید) تہران، ج ۳، ص ۴۱۔

Presented by: Https://jafrilibrary.com

ذہن اور خیال میں ہے۔[۲]

اسی طرح گھوڑے، انسان، ہوائی جہاز، زمین، ٹرین اور کتاب کا وجود ہمارے ذہن کے باہر بھی ہے۔ یعنی یہ تمام چیزیں ہمارے ذہن کے باہر اپنا مستقل وجود رکھتی ہیں۔ اس قسم کے وجود کو ہم "وجود خارجی" کہتے ہیں اور یہی حقیقی وجود ہے۔[۳]

کبھی کبھی ہم لوگوں کے ذہن میں ایسے خیالات اور تصورات آتے ہیں جن کا خارج میں (یعنی ہمارے ذہن کے باہر) کوئی وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ مثال کے طور پر ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ۵=۲+۲ لیکن کیا خارج میں یعنی حقیقت کی دنیا میں کبھی بھی دو اور دو مل کر پانچ ہو سکتے ہیں؟ نہیں، ہر گز نہیں۔ اگر ہم چاہیں تو کسی چیز کے بارے میں یہ سوچ سکتے ہیں کہ وہ ایک ہی وقت اور ایک ہی جگہ میں موجود بھی ہو اور نہیں بھی ہو۔ لیکن اس خیال اور تصور کا وجود ہمارے ذہن کے باہر بھی پایا جا سکتا ہے؟ نہیں، ہر گز نہیں۔

اس قسم کے تصورات کو جو کبھی بھی وجود ذہنی کی سرحد سے وجود خارجی کے حدود میں داخل نہیں ہو سکتے "مُمتَنِعُ الوُجُود" کہا جاتا ہے یعنی ناممکن۔[۴]

ہم یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ ایک شخص فلاں وقت کتاب پڑھ رہا تھا۔ یہ تصور خارج میں وجود پاسکتا ہے یا نہیں؟ آپ سب خیالات کو اپنے ذہن سے نکال دیں اور اپنے ذہن کے پردے پر صرف اس شخص کی تصویر کو ملاحظہ کریں جو فلاں وقت کتاب پڑھ رہا ہے۔ اب بتائیں کہ اس شخص کا اس وقت کتاب پڑھنا "ضروری" ہے یا دوسری طرف سے: کیا اس شخص کا اس وقت کتاب پڑھنا "ناممکن" ہے؟

ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ کیوں؟ چونکہ اس شخص کے لئے اس وقت کتاب پڑھنا نہ "ضروری" ہے اور نہ "ناممکن" ہے۔ ممکن ہے وہ کتاب پڑھ رہا ہو اور ممکن ہے نہ پڑھ رہا ہو۔ جہاں تک عقل اور منطق کا تعلق ہے اس شخص کا کتاب پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں ممکن ہے۔ ممکن

۲۔ وجود ذہنی (MENTAL EXISTENCE)

۳۔ وجود خارجی (REAL EXISTENCE)

۴۔ ممتنع الوجود (IMPOSSIBLE)

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے، نہ کہ ضروری۔

اس قسم کے تصورات جن کا تعلق وجود اور عدم سے یکساں ہو انہیں "ممکن الوجود" کہا جاتا ہے۔[٥] یہ وہ تصورات ہیں جو وجود خارجی میں پائے بھی جاسکتے ہیں اور نہیں بھی۔ ان کی فطرت اور ذات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو وجود یا عدم کا مطالبہ یا تقاضا کر سکے۔ جہاں تک ان کی ذات اور فطرت کا تعلق ہے "ہونا" اور "نہ ہونا" ان کے لئے برابر اور یکساں ہے۔

یہاں تک ہم نے تصورات (وجود ذہنی) اور حقیقی وجود (وجود خارجی) کے درمیان دو قسم کے تعلقات دیکھے:

١۔ وہ تصورات جن کا تعلق وجود اور عدم سے برابر ہے۔ وہ ذہن کے باہر پائے جا سکتے ہیں اور نہیں بھی پائے جا سکتے۔ ان کی ذات میں ایسی کوئی چیز نہیں جو وجود یا عدم میں سے کسی ایک کو لازم قرار دے۔ یہ وہ تصورات ہیں جنہیں ہم "ممکنُ الوجود" کہتے ہیں۔

٢۔ وہ تصورات جو کبھی بھی وجود خارجی کے حدود میں داخل نہیں ہو سکتے۔ وہ صرف وجود ذہنی میں موجود ہو سکتے ہیں۔ یعنی ان تصورات کی ذات میں محض "نیستی اور عدم" ہے انہیں ہم "مُمتَنِعُ الوُجُود" کہتے ہیں۔

اس تقسیم اور سلسلہ بندی سے بات عیاں ہوتی ہے کہ مذکورہ دو قسموں کے علاوہ ایک تیسری شق کا ہونا ضروری ہے جو ممتنع الوجود کے مقابل ہو یعنی وہ تصور جس کا تعلق اور ربط کبھی بھی "نیستی - عدم" سے نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کی تعریف یہ بتاتی ہے کہ وہ "قائم بِالذّات"[٦] ہے یعنی خود بخود موجود ہے۔ اس قسم کے تصور کو ہم "واجبُ الوجود"[٧] کہتے ہیں۔ اسے "وجودِ محض" بھی کہا جاتا ہے۔[٨]

٥۔ ممکن الوجود (TRANSIENT : POSSIBLE)

٦۔ قائم بالذات (SELF-EXISTENT)

٧۔ واجب الوجود (ESSENTIAL EXISTENCE OR NECESSARY EXISTENCE)

٨۔ وجود محض (ABSOLUTE EXISTENCE)

Presented by: https://jafrilibrary.com

۳۔ نقطۂ آغازِ جہاں

وجود خدا کے متعلق مُلحِدِیْن (ATHEISTS) اور خدا پرستوں[۹] کے نظریات میں بہت ہی شدید اختلاف ہے۔ لیکن اس شدید اختلاف کے باوجود فریقین ایک اہم نکتہ پر متفق ہیں۔

دونوں مُعتَقِد ہیں کہ کائنات کا مَبداء اور اس کی علّتِ اولٰی "ازلی" ہے۔ ازلی یعنی وہ ذات جس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء۔ بہ الفاظ دیگر وہ "واجب الوجود" ہے۔

یہ نظریہ اور اس پر فریقین کے اتفاق کا سبب بہت ہی واضح ہے: کائنات کے تمام موجودات ممکن الوجود ہیں، یعنی ان موجودات کا ربط وجود اور عدم سے یکساں ہے۔ کسی زمانے میں یہ اشیاء موجود نہ تھیں، اب موجود ہیں اور آئندہ کسی وقت وہ پھر معدوم ہو جائیں گی۔ یہ موجودات ذاتی طور پر نہ ہستی کا اقتضاء کر سکتی ہیں نہ نیستی کا۔ لہٰذا ان کے لئے ایک مبداء یا علت[۱۰] کا ہونا ضروری ہے جو ان کو وجود میں لائے یا ان کے وجود کو خاتمہ بخشے۔

اور یہ بھی ایک اہم نکتہ ہے کہ اس مبداء اور علت کو خود ممکن الوجود نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ وہ علت خود اپنے وجود کے لئے ایک دوسری علت کی محتاج ہو جائے گی اور اس سلسلہ علت و معلول (تسلسل علل) کو لازمی طور پر ایک ایسی علت یا مبداء پر آکر رکنا چاہئے جو خود اپنی ہستی کے لئے کسی دوسری علت کا محتاج نہ ہو۔ لہٰذا اس کائنات کو ہستی بخشنے والی علّتِ اولٰی کا واجب الوجود ہونا ضروری ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ مُلحِدِیْن بھی اس نکتہ کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ قائل ہیں کہ "کوئی بھی شے عدم سے پیدا نہیں ہوسکتی۔" لہٰذا موجودات کے بنیادی مبداء اور اساسی علت کا "قدیم اور ازلی" ہونا لازمی ہے۔ وہ علت ازَل سے موجود ہے اور ابدتک موجود رہے گی یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

۹؎ خدا پرست یعنی الوہیت کے قائل۔

۱۰؎ مبداء یا علّت یعنی سبب (CAUSE)

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس منزل پر آکر پہلا اختلاف پیدا ہوتا ہے: مُلحِدِین کا کہنا ہے کہ موجودات کی ازلی علت "مادہ" ہے اور خدا پرستوں کا کہنا ہے کہ موجودات کی ازلی علت "خدا" ہے۔

اس مسئلہ کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔ اس مقام پر صرف نظریات کے ایک نقطہ اتفاق کو پیش کردینا مقصود تھا اور وہ متفقہ نظریہ یہ ہے کہ "وجود کائنات کی بنیادی علت اور مبداء ازلی ہے۔ اس کا نہ آغاز ہے اور نہ انجام۔"

۴۔ ازلی کے ذاتی صفات

۱۔ ازلی کی تعریف ہی یہ نشاندہی کرتی ہے کہ ذات ازلی واجب الوجود اور قائم بالذات ہے۔ وہ ذات نہ پہلے کبھی معدوم تھی اور نہ آئندہ کبھی نیست و نابود ہوسکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہوں کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر ہم اس کے لئے کوئی نقطہ آغاز فرض کرلیں تو لامحالہ ہمیں یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ وہ ذات ازلی اس نقطہ آغاز سے قبل معدوم تھی، لیکن جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ذات واجب الوجود کبھی بھی معدوم یا ناپید نہیں تھی۔

لہٰذا ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ ذات ازلی کی کوئی ابتداء نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے موجود ہے۔

۲۔ اس سبب کی بنا پر ذات ازلی کی کوئی انتہاء بھی نہیں ہے۔ وہ ابدی ہے یعنی ہمیشہ کے لئے ہے کیونکہ وہ کبھی معدوم نہیں ہوسکتی۔

۳۔ ذاتِ ازلی کو مُستَغنِی بِالذّات ہونا چاہئے۔ یعنی اسے ہر احتیاج سے برتر ہونا چاہئے۔ اسے کسی بھی چیز کا محتاج نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ کہ اگر وہ کسی چیز کی محتاج ہو گی تو اس کا وجود اس شے کے وجود پر موقوف ہوگا۔ لیکن جیسا کہ اس کی تعریف سے ظاہر ہے، ازلی کا وجود کسی چیز پر موقوف نہیں ہے کیونکہ وہ واجبُ الوجود اور قائم بِالذّات ہے۔ دوسرے الفاظ میں ازلی کو کامل مطلق ہونا چاہئے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

۴۔ ازلی مرکب یا مخلوط نہیں ہو سکتا۔

ایک ترکیب یافتہ شے کا وجود اس کے اجزاء اور حصوں کے وجود پر موقوف ہے۔ اور چونکہ ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ واجبُ الوجود قائم بِالذّات ہے تو اس کے بعد یہ کہنا غلط ہو گا کہ اس کا وجود چند اجزاء اور حصوں کا محتاج ہے۔

اس کے علاوہ اگر آپ کسی مرکب چیز کو ملاحظہ کریں تو معلوم ہو گا کہ اس کے اجزاء اور حصے ترکیب سے قبل موجود تھے اور چونکہ ازلی کی کوئی ابتداء نہیں ہے اس لئے یہ کہنا غلط ہو گا کہ کوئی چیز وجود میں اس سے مقدم تھی ورنہ ہمیں ازلی کے لئے کوئی نقطۂ آغاز فرض کرنا پڑے گا جو یقینی طور پر غلط ہے۔

۵۔ ازلی نہ جسم ہے نہ سطح اور نہ خط ہے نہ نقطہ۔

جسم اپنی فطرت اور ذات کے اعتبار سے جگہ یا مکان کا محتاج ہے لیکن ازلی کسی بھی چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا نتیجتاً ازلی کا جسم ہونا بھی صحیح نہیں ہے۔

عالم وجود میں سطح کو جسم کی ضرورت ہے اور خط محتاج سطح ہے اور نقطہ خط کا محتاج ہے۔ لیکن ازلی تمام احتیاجات سے برتر ہے لہٰذا ازلی نہ جسم ہے نہ سطح، نہ خط ہے نہ نقطہ۔ اور نہ وہ کوئی ایس چیز ہے جو جوہر[۱۱] میں پائی جاتی ہو جیسے لمبائی، چوڑائی، گہرائی، رنگ، بُو، حالت، کیفیت وغیرہ جنہیں فلسفی اصطلاح میں "عرض"[۱۲] کہا جاتا ہے۔

۶۔ ازلی میں کسی تبدیل کا امکان نہیں کیونکہ تبدیل میں حسبِ ذیل تین صورتیں فرض کی جاسکتی ہیں:

---

[۱۱] جو چیزیں اپنا مستقل وجود رکھتی ہیں ان کو جوہر کہا جاتا ہے جیسے مادی اجسام وغیرہ۔

[۱۲] عرض (جمع اَعْرَاض) وہ چیزیں ہیں جو مستقل طور پر نہیں پائی جاتیں بلکہ جوہر کے اندر پائی جاتیں ہیں مثلاً رنگ کو آپ مستقل طور پر نہیں دیکھ سکتے بلکہ ہمیشہ اسے کسی چیز کے اندر دیکھیں گے دیوار پر، لباس میں، کتاب میں وغیرہ۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اَ۔ یاتو وہ تبدیلی کمال اور برتری کی طرف ہو گی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس تبدیلی سے قبل ذات ازلی کامل نہ تھی یعنی وہ کسی چیز کی محتاج تھی۔ لیکن ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ازلی احتیاج و نیاز مندی سے بالاتر اور برتر ہے۔

ب۔ یا یہ تبدیلی نقص و کمی کی طرف ہو گی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذات ازلی اب کسی چیز کی محتاج ہوگئی ہے جس کی مدد سے وہ کمال کی طرف بڑھے لیکن جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں یہ ممکن نہیں ہے۔

ج۔ اور اگر اس تبدیلی سے کوئی فرق نہیں ہوتا اور وہ اسی حالت وکیفیت پر باقی رہی تو اس تبدیلی کا فائدہ کیا ہے؟! (یعنی کوئی تبدیلی ہوئی ہی نہیں)

اس کے علاوہ تبدیلی درحقیقت یا مادہ میں ہوتی ہے یا عرض میں جیسے رنگ، بُو، لمبائی، چوڑائی، گہرائی، حالت وکیفیت وغیرہ میں - لیکن پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے کہ ازلی نہ مادہ ہے اور نہ کسی مادہ کی عارضی صفت ہے۔

۷۔ ازلی کا ذی حیات ہونا لازمی ہے۔

جب یہ طے ہو چکا ہے کہ کائنات کی علت اولٰی ازلی ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ نیستی اور عدم سے کوئی شے ایجاد نہیں ہوسکتی تو ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تمام زندہ اور ذی حیات موجودات کی علّت اور مبداء کا خود ذی حیات ہونا لازمی ہے - چونکہ اگر وہ خود ذی حیات نہ ہو تو دوسرے موجودات کو کس طرح زندگی و حیات عطا کرسکتی ہے۔

۸۔ کائنات کے مبداء ازلی کا عالِم ہونا ضروری ہے۔ ایٹم کے ایک ذرہ کا اتنے پیچیدہ نظم و نسق کے ساتھ ہونا کمال حکمت کی ایک روشن دلیل ہے۔ کائنات کے وسیع اور مکمل نظام کو دیکھنے کے بعد کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس کا مبداء و خالق یقیناً ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

۹۔ اسی دلیل کی رُو سے کائنات کے مبداء ازلی کا قادرِ مُطلق ہونا لازمی ہے۔

۵۔ کیا مادّہ ازلی ہے؟

مُلحِدِیْن کی رائے میں عالم موجودات کا مبداء ازلی "مادّہ"[۱۳] ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں کہ مادّہ مذکورہ بالاصفات ازلی میں سے ایک صفت بھی نہیں رکھتا۔

مادّہ جسم رکھتا ہے لہٰذا اسے مکان کی ضرورت ہے۔ مادّہ قابل تقسیم ہے لہٰذا اس کا مختلف حصوں پر مشتمل ہونا واضح ہے یعنی وہ مرکّب ہے اور اس میں ہمیشہ تغیّر و تبدّل واقع ہوتا ہے۔

لیکن مُلحِدِیْن کہتے ہیں کہ مادّہ کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا، لہٰذا وہ ازلی اور ابدی ہے لیکن دورِ حاضر کے جدید نظریات مُلحِدِیْن کے اس دعویٰ کے دونوں حصوں کو غلط بتاتے ہیں۔

۶۔ مادّہ کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی

مادّہ کیا ہے؟ مادّہ وہ جوہر ہے جس سے ایک جسمانی شے بنتی ہے یا ہر وہ چیز جس کے لئے مکان (جگہ) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جس میں ثقل و وزن پایا جاتا ہے اور جو بے حِس و حرکت ہوتی ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ سائنس کے ہر شعبہ میں کچھ ایسے مطالب پائے جاتے ہیں جن کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہوتا۔ لیکن صرف مُبتدی طلباء کو مَباحث کے سمجھنے میں بدد دینے کے لئے ان نظریات کو فرضاً مان لیا جاتا ہے۔

مثال کے طورپر جیومیٹری میں بچوں کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ نقطہ ایک ایسی شے ہے جس میں نہ طول ہو نہ عرض نہ عمق۔ ایسی کسی شے کا جسمانی (مادی) وجود کہیں نہیں ہے۔ بچوں کو یہ بھی پڑھایاجاتا ہے کہ خط ایسی چیز ہے جس میں صرف طول ہو مگر عمق یا عرض نہ ہو (لیکن اس کا بھی کوئی جسمانی وجود نہیں ہے)۔

۱۳؎ مادّہ (MATTER)

Presented by: https://jafrilibrary.com

در اصل سطح، خط یا نقطہ کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے ایک جسم[۱۴] فرض کریں اور اسے اپنے ذہن میں تقسیم کریں۔ اس ذہنی تقسیم کے بعد ہی ہم سطح اور خط اور نقطہ کو سمجھ سکتے ہیں۔

اِن مَفاہیم کو سمجھنے کے باوجود جیومیٹری کے طلباء کو اس عنوان سے تعلیم دی جاتی ہے کہ جیسے یہ چیزیں واقعاً خارجی وجود رکھتی ہوں۔ اس اسلوب تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ طلباء کو دھوکا دیا جائے بلکہ ایسا اس لئے کیا جاتا ہے کہ جیومیٹری کے مباحث کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اسی طرح کیمسٹری میں طلاّب کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ "مادّہ نہ پیدا کیا جاسکتا ہے اور نہ معدوم کیا جاسکتا ہے۔" لیکن یہ قول محض پہلے زینے کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ طالب علم آئندہ مباحث کو آسانی سے سمجھ سکے۔ اور اسی وجہ سے کیمسٹری کے ابتدائی طالب علم کو "قانون بقاء مادّہ"[۱۵] اور "قانون بقاء قوّت"[۱۶] علیحدہ علیحدہ پڑھایا جاتا ہے جیسے ان کا باہم کوئی تعلق نہ ہو۔

اب آپ حسبِ ذیل عبارت کو غور سے پڑھیں:

"کلاسیکی میکانیات[۱۷] میں یہ سمجھایا جاتا ہے کہ مادّہ اور قوّت الگ الگ باقی رہتے ہیں لیکن ایٹمی اور جوہری ردِّ عمل میں مادّہ قوّت میں اور قوّت مادّہ میں تبدیل ہو سکتی ہے .... جہاں تک کیمسٹری کا تعلق ہے قانون بقاءِ مادّہ کو صحیح فرض کیاجاسکتا ہے (یعنی یہ کہ مادّہ نہ ایجاد کیا جا سکتا ہے اور نہ معدوم کیا جا سکتا ہے۔"

تو آپ نے دیکھا کہ یہ نظریہ کہ مادّہ ازلی ہے (یعنی اسے نہ ایجاد کیا جاسکتا ہے اور نہ معدوم کیا جاسکتا ہے) صرف ایک مفروضہ ہے اور اسے صحیح فرض کر لیا گیا ہے تاکہ مَطالب کو کیمسٹری کے طلباء کے لئے آسان کر دیا جائے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ مادّہ قوّت میں تبدیل ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ نہ ہمیشہ باقی رہنے والا

۱۴ جسم - جس میں ابعاد ثلاثہ - طول، عرض، عمق - موجود ہوں۔
۱۵ قانون بقاء مادّہ (THE LAW OF CONSERVATION OF MATTER)
۱۶ قانون بقاء قوّت (THE LAW OF CONSERVATION OF ENERGY)
۱۷ کلاسیکی میکانیات (CLASSICAL MECHANICS)

Presented By: https://jafrilibrary.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے اور نہ ناقابلِ تغیّر ہے۔ تو ہم نے یہ دیکھا کہ مادّہ ابدیت اور سرمدیت کے امتحان کو پاس نہ کر سکا۔ یعنی یہ ایسی چیز ہے جس کی انتہا نہ ہو اور جو قابلِ تغیّر نہ ہو اور جب یہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ قوّت مادّہ میں تبدیل ہو سکتی ہے تو لامحالہ یہ مادّہ کی ابتدا کا بھی اقرار ہے۔ لہٰذا مادّہ ازلی بھی نہیں یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہمیشہ سے ہے یا اس کا کوئی آغاز نہیں ہے۔

یہ فرض کیا گیا ہے کہ "مادّہ قوّت میں تبدیل ہوتا ہے تو قوّت کی صورت میں ہمیشہ کے لئے باقی رہتا ہے لہٰذا وہ ابدی ہے۔" لیکن قوّت کیا ہے؟ سائنس کی اصطلاح میں قوّت "مادّہ کی کارکردگی کی استعداد ہے جو مادّہ کی حرکت یا پوزیشن کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ جب دوسری طاقتیں اس پر اپنا عمل کرتی ہیں۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ قوّت ایک ایسی شے نہیں جس کا وجود مستقل ہو۔ قوّت ایک عرض ہے یعنی اس کا وجود مادّہ پر موقوف ہے۔ قوّت کی تعریف خود یہ نشاندہی کرتی ہے کہ قوّت صرف مادّہ کے اندر پائی جا سکتی ہے۔ جب قوّت مادّہ کے تابع ہے تو وہ ازلی اور ابدی نہیں ہو سکتی۔

۷۔ خِلقتِ کائنات کے متعلق دو مفروضے

یہاں خِلقتِ عالَم کی ابتدا کے متعلق سائنس کے دو قابل تحقیق مفروضوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

پہلا نظریہ: جسے تین برطانوی سائنس دانوں نے ۱۹۴۸ء میں پیش کیا تھا یکساں حالت[۱۸] کا نظریہ کہلاتا ہے۔ ان کے خیال میں کائنات کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء۔ بلکہ کائنات جیسے جیسے پھیلتی جارہی ہے نیا مادّہ مسلسل پیدا ہو کر اس جگہ کو بھرتا جا رہا ہے۔

اب آپ غور کریں۔ کائنات مادّہ کا مجموعہ ہے اور اس نظریہ کے مطابق مادّہ لگاتار پیدا ہوتا جارہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ساری کائنات تخلیق شدہ چیزوں سے مل کر بنی ہے۔ اب خلق شدہ اشیاء کے مجموعے کو سرمدی یا ازلی یا ابدی کہنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ بہر صورت اب یہ نظریہ خود مر چکا ہے۔ یکساں حالت کے نظریہ کو ماہرین فلکیات نے ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخر میں

[۱۸] یکساں حالت (STEADY STATE THEORY)

Presented by: https://jafrilibrary.com

بالکل رد کر دیا۔

دوسرا نظریہ : ۱۹۶۵ء میں آفاقی پس منظر کی تابناکی[۱۹] (عظیم دھماکے کے بعد باقی رہ جانے والی چمک[۲۰]) نے پرزور طریقے سے یہ سمجھایا کہ کائنات آج سے تقریباً پندرہ ارب سال پہلے ایک تخلیقی عمل کے نتیجے میں پیدا ہوئی۔ یہ عظیم دھماکے والا نظریہ (جو ۱۹۸۰ء سے بالعموم سب کو تسلیم ہے) یہ کہتا ہے کہ کائنات کا تمام مادّہ پہلے ایک طرح کے قدیم ایٹم[۲۱] میں مکثف[۲۲] صورت میں مجتمع تھا اور کائنات ایک معیّن لمحہ میں پیدا کی گئی اور آخر کار نابود ہو جائے گی۔

اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو اس قدیم یا اصلی ایٹم کو ابدی نہیں کہا جا سکتا۔ ایک ایسی شئے جو ایک دن نابود ہو جائے گی، ایک دن ختم ہو جائے گی اسے کسی بھی لحاظ سے قائم بِالذّات، ہمیشہ باقی رہنے والی یا ازلی وابدی نہیں کہا جاسکتا۔

اس طرح یہ واضح ہو گیا کہ انسان جس نظریہ کو بھی اختیار کرے، مادّہ کی ازلیت و ابدیت کو ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔

سائنس داں جب یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ

۱۔ مادّہ مسلسل پیدا ہوتا رہتا ہے

۲۔ مادّہ توانائی میں تبدیل ہوتا ہے

۳۔ اسے ایک شکل اور ایک مکان کی ضرورت ہے

۴۔ مادّہ تقسیم ہوتا رہتا ہے اور اس میں تبدیلی آتی رہتی ہے

تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مادّہ ازلی وابدی ہے جبکہ اس کی تمام صفات اور خصوصیات ممکن الوجود کی ہیں؟

ایک مرتبہ پانچ مُلحِدِین رسول اسلام ﷺ کی خدمت میں بحث و مناظرہ کی غرض سے آئے۔

---

۱۹ آفاقی پس منظر کی تابناکی (COSMIC BACKGROUND RADIATION)

۲۰ عظیم دھماکے کے بعد باقی رہ جانے والی چمک (THE AFTERGLOW OF THE BIG BANG)

۲۱ قدیم ایٹم (PRIMEVAL ATOM)

۲۲ مکثف (CONCENTRATED)

Presented by: https://jafrilibrary.com

رسول اکرم ﷺ نے بحث کے آخر میں ان سے یہ ارشاد فرمایا:

فَهٰذَا الَّذِیْ نُشَاهِدُهٗ مِنَ الْأَشْیَاءِ بَعْضُهَا اِلٰی بَعْضٍ مُفْتَقِرٌ لِاَنَّهٗ لَا قِوَامَ لِلْبَعْضِ اِلَّا بِمَا یَتَّصِلُ اِلَیْهِ کَمَا تَرٰی الْبِنَاءَ مُحْتَاجًا بَعْضُ اَجْزَآئِهٖ اِلٰی بَعْضٍ وَاِلَّا لَمْ یَبْقَ وَلَمْ یَسْتَحْکِمْ وَکَذٰلِکَ سَائِرَ مَا تَرَوْنَ۔ فَاِنْ کَانَ هٰذَا الْمُحْتَاجُ بَعْضُهٗ اِلٰی بَعْضٍ لِقُوَّتِهٖ وَتَمَامِهٖ هُوَ الْقَدِیْمَ فَاَخْبِرُوْنِیْ اَنْ لَّوْ کَانَ مُحْدِثًا کَیْفَ کَانَ یَکُوْنُ وَکَیْفَ اِذَا تَکُوْنُ صِفَتُهٗ یَصِفُوْنَهٗ بِهَا اَلَا وَهِیَ مَوْجُوْدَةٌ فِیْ هٰذَا الَّذِیْ زَعَمُوْا اَنَّهٗ قَدِیْمٌ۔[۲۳]

"(کائنات کے) یہ موجودات جنہیں ہم مشاہدہ کرتے ہیں (ان کی حالت یہ ہے کہ) وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں، یعنی وہ دوسرے موجودات اور اجزاء کے بغیر وجود اور استحکام نہیں پاسکتے بالکل اسی طرح جس طرح کہ ایک عمارت کے اجزا دوسرے اجزا کے محتاج ہوتے ہیں ورنہ وہ اجزاء نہ نظم و ترتیب پاسکتے ہیں اور نہ مستحکم ہوسکتے ہیں۔ ان تمام اشیاء کی حالت جنہیں تم (اس دنیا میں) دیکھتے ہو، اسی طرح کی ہے - اب اگر یہ موجودات جو اپنی قوت اور کمال کے لئے دوسرے کے محتاج ہیں قدیم (یعنی ازلی) ہیں تو مجھے بتاؤ کہ اگر یہ موجودات حادث[۲۴] (یعنی ممکنُ الوجود) ہوتے تو ان کی حالت کیا ہوتی؟ اس وقت ان کی صفات اور خصوصیات کیا ہوتیں؟"

ہاں! مُلحِدِین جواب دیں کہ اگر مادّہ ازلی اور قدیم نہ ہوتا تو اس کی صفات و خصوصیات کیا ہوتیں؟!

۸۔ مادّہ سرچشمۂ حیات نہیں

اب ہم چوتھے باب میں بیان شدہ ازلی کی ذاتی خصوصیتوں میں سے آخری تین صفات کے متعلق گفتگو کریں گے۔ ہم مُلحِدِین کے اس نظریہ کو تسلیم کرچکے ہیں کہ "عدم سے کوئی چیز پیدا نہیں

---

۲۳ طبرسی، الاحتجاج، جلد اول، ص۲۵-۲۶۔

۲۴ حادث یعنی وہ شے جو پہلے موجود نہیں تھی اور اب موجود ہے۔ ممکن الوجود۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہوسکتی۔" ایک طرف تو ہم کائنات میں ایک انتہائی عاقلانہ ڈیزائن اور پلان دیکھتے ہیں جس کے تمام اجزاء میں باہم کامل ترین ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور ہر سمت ایک بے نظیر نظام حکم فرما ہے اور ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ یہ کائنات ذی حیات موجودات سے بھری ہوئی ہے۔ دوسری طرف ہر شخص معترف ہے کہ خود مادّہ میں زندگی نہیں ہے جس کے نتیجہ میں نہ اس میں کوئی قدرت ہے نہ عِلم۔

اگر مبداء کائنات اور اس کی علّتِ اولٰی مادّہ ہوتا تو کائنات بھی بغیر حیات و زندگی کے ہوتی اور اس میں نہ کوئی نظام ہوتا اور نہ ہم آہنگی ہوتی کیونکہ مادّہ کائنات کو کوئی ایسی شے نہیں دے سکتا جس سے وہ خود محروم ہے۔

فَاقِدُ الشَّیْءِ لَیْسَ بِمُعْطِی الشَّیْءِ

آیا ان باتوں کے بعد بھی کوئی ضرورت رہ گئی ہے کہ مختلف الفاظ اور طریقوں سے یہ بتایا جائے کہ مادّہ کو مبداء کائنات نہیں سمجھا جاسکتا۔

۹۔ خدا پرستی بمقابلہ اِلحاد ودہریت

یہاں پر میں اس بحث کا ترجمہ پیش کرنا چاہتاہوں جو پیغمبر اسلام ﷺ اور مُلحِدِیْن کے درمیاں ہوئی تھی (جس کا ایک حصہ اوپر گزر چکا ہے):

رسول اسلام ﷺ : آخر کس بناپر تم کہتے ہو کہ کائنات کی ابتداء نہیں ہے، وہ ازلی سے ہے اور ابدتک رہے گی؟ اور اسی طرح یہ سب چیزیں ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی؟

مُلحِدِیْن : وجہ یہ ہے کہ ہم صرف اس چیز کو مانتے ہیں جس کو ہم نے دیکھا ہے (ہمارا فیصلہ صرف مشاہدہ پر مبنی ہے) اور چونکہ ہم نے کائنات کے حدوث (پیدائش) کو نہیں دیکھا لہٰذا ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے اور چونکہ ہم نے اسے فنا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمیشہ رہے گی۔

رسول اسلام ﷺ : کیا تم نے یہ دیکھا ہے کہ کائنات کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء؟

Presented by: https://jafrilibrary.com

مُلحِدِین : نہیں - ہم نے نہ کائنات کے قدیمی ہونے کو دیکھا ہے اور نہ اس کے ابدی ہونے کو دیکھا ہے۔

رسول اسلام ﷺ : پھر تم کس طرح کائنات کے ازلی اور ابدی ہونے کے قائل ہو؟ اور کیوں نہ تمہارے نظریہ پر ان لوگوں کے نظریہ کو ترجیح دی جائے جو تمہاری ہی طرح (مشاہدہ کی بنیاد پر) یہ کہتے ہیں کہ کائنات حادث اور فانی ہے کیونکہ ہم نے کائنات کے بغیر ابتداء کے ہونے یا بغیر انتہاء کے ہونے کو نہیں دیکھا۔

پھر کچھ دیر مزید گفتگو کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں : جو رات اور دن (زمانہ) تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ وہ متناہی (یعنی محدود) تھے یا لامتناہی؟ اگر تم یہ کہو کہ وہ لامتناہی تھے تو یہ جدید زمانہ پہلے والے لامتناہی زمانہ کے گزرے بغیر کیسے آیا؟ اگر تم یہ کہوگے کہ وہ متناہی (محدود) تھے تو تمہیں اعتراف کرنا ہوگا کہ زمانہ (دن اور رات) ازلی سے نہیں ہے۔

مُلحِدِین : ہاں، زمانہ محدود و متناہی ہے۔

رسول اسلام ﷺ : اچھا! تم تو یہ کہہ رہے تھے کہ کائنات ازلی ہے، یہ نہ مخلوق ہے نہ متناہی۔ آیا تم کو یہ معلوم ہے کہ زمانہ کے مُتَنَاہِی ہونے کے اقرار کا نتیجہ کیا ہے؟ تم کس بات سے انکار کر رہے تھے؟ اور اب کس بات کا اعتراف کر رہے ہو؟[۲۵]

(مُلحِدِین نے ابتداء میں کائنات کی محدودیت سے انکار کیا تھا اور آخر میں زمانہ کی محدودیت کا اقرار کیا ہے، حالانکہ زمان اور کائنات ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ ان مُلحِدوں کو ماننا پڑا کہ ان کا عقیدہ صحیح نہیں تھا)۔

نیز مُعلّمِ کائنات حضرت محمد ﷺ کی اس بحث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ "زمان" اور "مادّہ" کے درمیان ایک لاَیَنفَک ربط اور تعلق ہے ورنہ رسولِ اکرم ﷺ "زمان" کو "مادّہ" کی بحث میں نہ لاتے۔ اس بات کی لطافت صرف وہی لوگ محسوس کرسکتے ہیں جو نظریۂ اضافیت سے واقف ہیں۔

---

۲۵ طبرسی، الاحتجاج، جلد اول، ص۲۵۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۰۔ کچھ مکالمے

وجودِ باری تعالٰی کے متعلق دور قدیم کے بہت ہی سادے اور آسان مباحث آج کل بھی جدید سائنس کی پیچیدگیوں کے باوجود قابل اور معقول ہیں۔ یہاں پر ان میں سے چند مکالموں کو پیش کرنا چاہتا ہوں:

۱۔ ایک بُڑھیا چرخہ کات رہی تھی، کسی نے اس سے سوال کیا کہ وہ خدا پر ایمان کیوں رکھتی ہے، اس ضعیفہ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور چرخہ رک گیا۔

وہ کہنے لگی: تم نے دیکھا کی ایک معمولی سا چرخہ اپنی حرکت و گردش کے لئے کسی ہاتھ کا محتاج ہے۔ تو کیا یہ سورج، یہ چاند، یہ ستارے اور یہ ساری کائنات کسی توانا اور دانش مند ہاتھ کے بغیر گردش کر رہے ہیں؟[۲۶]

۲۔ امام علی بن ابی طالب علیہ السلام سے وجودِ باری تعالٰی کی دلیل پوچھی گئی۔ آپؑ نے فرمایا: اونٹ اور گدھے کی مینگنی اس بات کی دلیل ہے کہ ان حیوانات کا گزر اس راستے سے ہوا ہے۔ اور نشانِ قدم بتاتا ہے کہ کوئی ادھر سے گزرا ہے۔ تو کیا یہ شاندار افلاک اپنی تمام عظمت کے ساتھ اور یہ دنیا اپنے مستحکم نظام کے ساتھ خدائے لطیف و خبیر کے وجود پر دلالت نہیں کرتی؟[۲۷]

۳۔ ابو شاکر دیصانی ایک مُلحِد تھا۔ ایک دن وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ وہ خداوند عظیم کی معرفت کے سلسلہ میں اس کی رہنمائی فرمائیں۔

امام علیہ السلام نے اسے بیٹھنے کے کئے کہا، اسی دوران ایک بچہ اپنے ہاتھ میں ایک انڈا لئے ہوئے آیا، امام علیہ السلام نے بچے کے ہاتھ سے انڈا لے لیا اور ابو شاکر دیصانی سے مخاطب ہوئے:

---

۲۶ جامع الاخبار۔

۲۷ علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۳، ۵۵۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

"یہ ایک پراسرار قلعہ ہے جسے ایک سخت خول نے اِحاطہ کیا ہے، جس کے نیچے ایک بہت ہی لطیف پردہ ہے جو پگھلی ہوئی چاندی اور پگھلے ہوئے سونے کو اپنے اندر لپیٹے ہوئے ہے، نہ تو پگھلا ہوا سونا، پگھلی ہوئی چاندی میں ملتا ہے، نہ پگھلی ہوئی چاندی پگھلے ہوئے سونے میں مخلوط ہوتی ہے۔ (حالانکہ سفیدی اور زردی دونوں نیم سیال مایع ہیں۔ جنہیں ہلائے جانے سے باہم مل جانا چاہئے) وہ اپنی جداگانہ حالت کو محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ کوئی مصور اس سے باہر نہیں آیا جس نے یہ کہا ہو کہ میں نے انڈے میں کوئی تبدیلی کی ہے نہ کوئی مُخَرِّب عنصر یا قوّت اس میں داخل ہوئی ہے جس نے اس میں کسی خرابی کی خبر دی ہو اور نہ کسی کو عِلم ہے کہ اس انڈے سے نر پیدا ہونے والا ہے یا مادہ؟ پھر اس میں سے چمکدار رنگوں والا مور پیدا ہوتا ہے۔ آیا تمہارے خیال میں اس کا کوئی ڈیزائن بنانے والا ہے؟ کس نے انڈے کے اندر یہ سب رنگ آمیزی کی ہے؟ اور کیسے اس میں سے چوزے نکلے؟ کس نے یہ تمام بوقلموں رنگ، پر، اعضاء و جوارح، نقش و نگار، پنجے، چونچ، بازو، آنکھیں، ناک، آنتیں، پوٹے، اور جوڑوں وغیرہ کے تخلیق کی ہے۔ جبکہ کوئی شخص اس میں داخل نہیں ہوا ہے؟"

ابو شاکر، روایت کے مطابق، کچھ دیر سر جھکائے اپنے خیالات میں کھویا رہا اور پھر ایک مرتبہ بول اٹھا:

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّكَ اِمَامٌ وَ حُجَّةٌ مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَاَنَا تَائِبٌ مِمَّا كُنْتُ فِيْهِ.

میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور آپ اللہ کی طرف سے لوگوں کے لئے امام اور حُجّت ہیں، اور میں اپنے سابق عقیدہ سے توبہ کرتا ہوں۔[۲۸]

۲۸ علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۳، ص۳۱-۳۳۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۱۔ دین بمقابلہ ڈارون ازم

ڈارون نے اپنی کتاب (اصل الانواع) "ORIGIN OF SPECIES" کو پہلی مرتبہ ۱۸۵۹ء میں شائع کیا تھا۔ اس رسالہ کا شائع ہونا تھا کہ مذہبی گروہ اس کی شدید مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ مذہبی مخالفت عام طور سے دو وجوہات کی بنا پر تھی:

۱۔ ڈارون نے (مستحکم اور اطمینان بخش دلائل سے) یہ ثابت کیا کہ بائبل کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ کائنات چھ روز میں خلق کی گئی، بلکہ کائنات کی خلقت نے بہت ہی طویل مدت میں مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد موجودہ شکل اختیار کی ہے۔

۲۔ اس نے (بغیر کسی معقول اور ٹھوس دلیل کے) نظام کائنات میں خدا کے وجود کی ضرورت سے انکار کیا۔

جس زمانہ میں ڈارون کی کتاب شائع ہوئی تھی اس دور کے یہودی اور نصاریٰ بائبل کی روایت کے مطابق چھ روزہ خلقت کے قائل تھے، لہٰذا وہ آسانی سے ڈارون کی اس "تدریجی خلقت" کے نظریہ کو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ عیسائیت اور سائنس کا یہ اختلاف ۱۹ ویں صدی کے اواخر میں اپنے عروج پر پہنچا۔ آئیے دیکھیں مسلمان اس سلسلہ میں کیا کہتے ہیں۔

قرآن مجید کے بیان کے مطابق آسمان و زمیں کو چھ "ایام" میں خلق کیا گیا تھا۔[۲۹] لفظ "ایام" (جمع یوم) کے دو معنی ہیں: "دن" اور "زمانہ"۔

مفسرین اہل سنت اکثر کعب الاحبار کی پیروی کرتے ہیں، جو یہودی تھا۔ فطری طور پر یہ شخص قرآنی آیات کی تفسیر یہودی روایت کی روشنی میں کرتا تھا۔ اس نے اکثر وبیشتر یہودی خرافات کو اسلام میں داخل کر دیا۔

قرآن کریم خلقت ارض و سماء کے تفصیلات کے متعلق خاموش ہے لیکن مفسرین اہل سنت نے "آیات" کی تفسیر میں بائبل کی کتاب پیدائش کے ان تمام تفصیلات کو شامل

۲۹۔ سورۂ اعراف آیت ۵۴؛ سورۂ یونس آیت ۳۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

کر دیا ہے جو آسمان و زمیں کی خلقت کے سلسلے میں تھیں، اور بائبل کے یہ روایات سنیوں کے اعتقاد کا ایک حصہ بن گئیں۔

لیکن شیعہ مفسرین چھ روزہ خلقت کے نظریہ کو صدر اسلام سے رد کرتے چلے آئے ہیں۔ شیعوں کی نظر میں کلمہ "ایام" ان آیات میں "زمانہ" کے معنی میں ہے نہ کہ "دن" کے معنی میں۔ دیکھئے تفسیر علی ابن ابراہیم قمی (متو فی حدود ۹۱۹ء)، "تفسیر الصافی" از ملا محسن فیض کاشانی (متو فی ۱۶۸۰ء) اور قرآن و حدیث کی لغت "مجمع البحرین" از شیخ فخر الدین طریحی (متو فی ۱۶۷۶ء)۔

ان علماء کے مطابق قرآن یہ کہتا ہے کہ آسمان اور زمین چھ مختلف زمانے (یا ادوار) میں خلق کئے گئے۔ (آپ چھ مختلف مراحل بھی کہہ سکتے ہیں)!

ہم شیعہ نہ تو "تدریجی خلقت" کے نظریہ (جو نظریہ ارتقاء کا ایک جز ہے) کے مخالف ہیں اور نہ ہماری یہ تفسیر مذہب کی جدید تاویل ہے جیسا کہ عیسائی اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لئے اپنے نظریات کو اب جدید سائنسی انکشافات سے منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ ہم تو ڈارون سے ایک ہزار سال قبل اس خط پر گامزن تھے۔

نوٹ: مصنف مدظلہ العالی کا ایک مضمون "قول فیصل - خلقت ارض و سماء کے متعلق" ماہنامہ الجواد (وارانسی، ہندوستان) کے فروری ۱۹۵۲ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ مندرجہ بالا بحث کی مزید تشریح کے لئے اس مضمون کا اقتباس یہاں پر درج کیا جا رہا ہے:

"قرآن مجید نے اس سلسلہ میں جو الفاظ صرف کئے ہیں وہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی متانت و تحقیق کا مظہر ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ ﴿سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ چودہ صدیوں سے ارباب تحقیق کو دعوت فکر و نظر دیتے ہیں کہ وہ "ایام" کے مقصود واقعی کو پیش نظر رکھ کر ان ادوار و مراحل پر غور کریں جو خلقت عالم کی تاریخ کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ مگر افسوس ناک سانحہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے قرآن مجید کی اس صدائے عام سے فائدہ نہ اٹھایا اور بظاہر لفظی مناسبت کو اتحاد مقصود پر محمول کر کے ان علماء یہود و نصاریٰ کے پیرو بن گئے جنہوں نے اسلام کی سطوت ظاہری سے مرعوب ہو کر یا اس سے مستفید ہونے کے خیال سے اسلامی قبا اوڑھ لی تھی - اور

Presented by: https://jafrilibrary.com

مسلمانوں میں قابل اعتماد درجہ حاصل کر لیا تھا...

حالانکہ اگر یہ لوگ خود قرآن ہی کے دوسرے بیانات کو دیکھتے تو سمجھ لیتے کہ ﴿سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ سے چھ طویل دور ہی مراد ہیں۔ اس کی دلیل حسب ذیل ہے:

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ:

﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾ (سورۂ انعام آیت ۹۶) خدا نے شمس و قمر کو ایام اور سال کے حساب کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ سورہ رحمٰن (آیت ۵) میں فرمایا ہے ﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ شمس و قمر یوم و سال کے حساب کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے شمس و قمر کی خلقت سے قبل ایام کی تحدید اور تعیین ناممکن ثابت ہوتی ہے...

میرے اس سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ "آسمان و زمین اور شمس و قمر" کی خلقت سے قبل ایام کی تعیین محال تھی۔

... شمس و قمر جن پر تحدید ایام کا دارومدار ہے ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ ﴿سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ سے چھ دن نہیں بلکہ چھ زمانے مراد ہیں ...

اور قرآن میں "ایام" بہ معنی زمانہ استعمال ہوا ہے۔ ﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ (سورۂ آل عمران آیت ۱۴۰) سے زمانہ ہی مراد ہے۔ تفسیریں دیکھئے اور سیاق و سباق آیت اور ﴿بَيْنَ النَّاسِ﴾ کے لفظ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ترجمہ کیجئے تو میرے قول کی تصدیق بہ آسانی ہو جائے گی۔"

(ماخوذ از ماہانہ الجواد فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۵–۱۹)

البتہ یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ تدریجی خلقت کے نظریہ کو ماننے کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ ہم نظریۂ ارتقاء کے تمام مفروضات کی تائید کرتے ہیں۔

نظریۂ ارتقاء کی حامی[۳۰] قائل ہیں کہ:

۱۔ جاندار موجودات نسل در نسل بدلتی رہتی ہیں یعنی ہر جدید نسل کچھ نئے صفات کے ساتھ

---

[۳۰] نظریۂ ارتقاء کی حامی (EVOLUTIONISTS)

Presented by: https://jafrilibrary.com

پیدا ہوتی ہے جو اس سے پہلے والی نسل میں موجود نہ تھے۔

۲۔ اسی سلسلہ تولید نے موجودات میں مختلف انواع و اوصاف پیدا کئے ہیں جو آج بھی زندہ ہیں اور بعض فنا و نابود ہو چکی ہیں۔

۳۔ یہ تمام مختلف موجودات آپس میں ایک دوسرے سے لگاؤ اور تعلق رکھتے ہیں۔[۳۱]

لیکن جیسا کہ میری کتاب "*NEED OF RELIGION*" (دین کی ضرورت) میں بیان ہو چکا ہے، ابھی تک کوئی آثار متحجرہ (FOSSIL EVIDENCE) ایسے نہیں ملے ہیں جو یہ دکھا سکیں کہ نوع اسفل کی کوئی فرد پختگی اور کمال تک پہنچ کر نوع انسانی میں تبدیل ہوگئی ہو۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر تہمیسین نے کہا ہے کہ:

"وہ سائنس داں جو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ نظریۂ ارتقاء زندگی کی حقیقت ہے، وہ دنیا کے سب سے بڑے دھوکے باز ہیں اور ارتقاء کی داستان جو وہ بیان کرتے ہیں وہ دنیا کا سب سے بڑا دھوکا ہو سکتا ہے۔ نظریۂ ارتقاء کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک نقطہ کے برابر بھی کوئی واقعی دلیل نہیں ہے۔"[۳۲]

مختصر یہ کی ایک طرف خدا پرست ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خدا نے اس کائنات کو تدریجاً خلق کیا ہے اور دنیا کے تمام بے جان اور جاندار موجودات کو یکے بعد دیگرے مختلف مراحل میں پیدا کیا ہے جن کے درمیان وقت کا کافی فاصلہ گزرتا رہا ہے۔ اور آثار متحجرہ اور سائنس اعداد و شمار بھی اس نظریہ کے تائید کرتے ہیں۔ دوسری طرف ڈارونسٹ اور نیو ڈارونسٹ[۳۳] ہیں جو یعنی کسی مستحکم دلیل کے یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں جاندار موجودات غیر جاندار اشیاء کے تکامل و ارتقاء سے پیدا ہوئی ہیں اور پلانکٹن جیسا ایک خلیہ والا وجود مرحلہ بہ مرحلہ ترقی کر کے انسان کی شکل اختیار کرگیا۔

---

۳۱ *THE WORLD BOOK ENCYCLOPEDIA*, 1966, VOL. 6, PG. 330

۳۲ DR. T. N. TAHMISIAN: *THE FRENSO BEE*, AUG. 20, 1959. P. 1–B
یہ امریکہ کے ایٹی توانائی کمیشن میں ماہر علم و ظائیف الاعضاء تھے۔

۳۳ DARWINISTS, NEO-DARWINISTS

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۲۔ ڈارونسٹوں کی گمراہی

یہاں تک دین اور سائنس کے اختلاف کی پہلی منزل یعنی خلقتِ کائنات کو بیان کیا گیا۔ اب ہم اختلاف کے دوسرے مرحلہ پر پہنچتے ہیں یعنی وجود باری تعالٰی کا انکار - اس مرحلہ پر شیعہ اور دوسرے مذاہب و ادیان کے علاوہ بہت سے جدید سائنس داں بھی متفقہ طور پر ڈارون ازم کے خلاف ہیں۔

ہم اپنے نظریہ کو یہاں چند جملوں میں بیان کریں گے:

ارتقاء کے مباحث میں تمام تر توجہ اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں رہتی ہے کہ "کائنات کس طرح وجود میں آئی؟" لیکن ایک دوسرے اہم مسئلہ کے متعلق یہ بالکل خاموش رہتے ہیں کہ "کس نے اس کائنات کو خلق کیا ہے؟"

ڈارون اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ چونکہ وہ خلقت کائنات کی ترتیب اور اسکے طریقہ کار کو سمجھا سکتے ہیں لہٰذا یہ خود بخود ثابت ہو گیا کی خدا کا کہیں وجود نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے "چونکہ میں اس موٹر کار کی کار کردگی کو سمجھا سکتا ہوں اور اس کی بناوٹ کی ترتیب کا بھی اندازہ لگا سکتا ہوں - لہٰذا یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ اس گاڑی کا کوئی بنانے والا نہیں ہے۔"

یہ استدلال جیسا کہ میں نے تحریر کیا ہے، لغو و نامعقول معلوم ہو گا۔ تاہم آپ جتناہی ڈارون ازم کے انکار خدا کے استدلال کو پڑھیں گے، اتناہی آپ کو میری یہ مثال یاد آتی جائے گی۔

دہریت والحاد کے ایک اور مغالطہ کو ملاحظہ کریں۔ اس مغالطہ کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ تاہم مطلب کی پوری تصویر پیش کرنے لئے یہاں اسے دوبارہ بیان کیا جاتا ہے۔

مُلحِدِیْن کا کہنا ہے کہ کوئی بھی "شے" عدم سے پیدا نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ان کی نظر میں یہ کہنا غلط ہے کہ خدا نے کائنات کو "عدم" سے خلق کیا ہے۔ ہر چیز کے لئے ایک مبداء ہونا چاہئے اسی وجہ سے وہ معتقد ہیں کہ مادّہ ازلی ہے اور ہر شے اسی ازلی مادّہ کے ارتقاء کا کرشمہ ہے۔ یہ استدلال اسی طرح سیدھے خط پر بڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ منزل آجاتی ہے جہاں چیزوں میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

آج تک کوئی زندگی کے اسرار کو حل نہیں کر سکا، کوئی نہیں جانتا کہ "حیات" کہاں سے آئی ہے۔

خدا کے وجود سے تو پہلے ہی انکار کیا جاچکا ہے۔ اب مُلحِدِیْن کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ "ہم جانتے تو نہیں لیکن حیات لازمی طور پر مادے سے ہی پیدا ہوئی ہو گی۔"

لیکن مادّہ خود بے جان ہے۔ اگر "شے" عدم سے نہیں پیدا ہوسکتی تو "حیات" کس طرح ایک "بے جان" چیز سے پیدا ہوسکتی ہے؟

اتنا ہی نہیں کچھ اور آگے بڑھیں مُلحِدِیْن کہتے ہیں کہ ہر چیز کے لئے ایک مبداء کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ مادّہ خود بھی ایک شئے ہے۔ تو اب بتائیے کہ مادّہ کا مبداء کیا ہے؟ کائنات کے یہ مظاہر اور حقائق واضح نہیں ہوسکتے۔ جب تک ہم کسی ایک خاص نقطہ پر آکر نہ رکیں اور یہ نہ کہیں کہ کائنات یہاں سے شروع ہوئی۔

مُلحِدِیْن کہتے ہیں کہ وہ نقطہ آغاز "مادّہ" ہے لیکن مادّہ خود بے جان ہے لہٰذا "زندگی" کی موجودگی کو اس نظریہ سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح مادّہ بے حس ہے لہٰذا حیوانات اور انسان میں احساس اور عقل کے وجود کی بھی توجیہہ مادّہ کے ذریعہ نہیں کی جا سکتی ہے۔ بقول اکبرؔ الٰہ آبادی:

دعویٰ ہے خرد کا تم کو لیکن یہ کہو
پیدا ہوا مادّہ میں کیوں کر یہ شعور

حاصل کلام یہ کہ اگر ہم پوری کائنات کے وجود کے لئے کسی اطمینان بخش نظریہ کے جویا ہیں تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ ایک ایسی ازلی ذات ہے جو مبداء وجود، منشاء حیات اور مبداء عقل و خرد ہے اور وہ ذات خدائے باری کی ذاتِ اقدس ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

۱۳۔ رسل کا استدلال

"WHY I AM NOT A CHRISTIAN" مذہب اور اس سے متعلقہ امور پر برٹرینڈ رسل[۳۴] کے مضامین اور تقاریر کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کے ایڈیٹر پروفیسر پاول اڈوارڈز لکھتے ہیں کہ یہ مضامین "ہیوم اور والٹیئر کے بعد شاید سب سے زیادہ اثر انگیز اور باوقار پیش کش ہے جو "آزاد مفکرین" کے خیالات سے قارئین کو روشناس کرتی ہے۔"

ایڈیٹر کا یہ تبصرہ اور رسل جیسے مشہور عالم فلسفی کا نام اس بات کے لئے کافی تھا کہ انسان مذہب کے متعلق دانش مندانہ اور منطقی استدلالات سے آشنائی کے بلند توقعات کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ کیا یہ توقعات کتاب پڑھنے کے بعد پوری ہوئیں۔ اس سوال کا جواب حسب ذیل چند تبصروں سے واضح ہو جائے گا۔

پہلی بات جو مطالعہ کے دوران سامنے آتی ہے وہ تناقُض ہے جو اس کتاب کے استدلالوں میں پایا جاتا ہے۔ رسل پہلے اپنے کو "آزاد خیال" (FREE THINKER) کہتا ہے لیکن ریونڈ ایف۔ سی۔ کوپلستون سے مناظرہ کے وقت اس نے کہا کہ وہ مُلحِد نہیں ہے بلکہ ایک "لَااَدْرِیَہ"[۳۵] (AGNOSTIC) ہے۔

مُلحِدِیْن کا موقف وجود خدا کے متعلق یہ ہے کہ خدا کے موجود نہ ہونے کو ثابت کیا جا سکتا ہے لیکن "لَااَدْرِیَہ" کہتے ہیں کہ: "انسان نہ صرف یہ کہ غیر مادی وجود کے بارے میں کچھ نہیں جانتا بلکہ طبعی طور سے اس کے متعلق کچھ جان ہی نہیں سکتا، چاہے وہ روحانی (عرفانی) شے خدا ہو، انسان کی روح ہو یا مَابَعْدالمَوْت کے حالات ہوں۔" ان کا کہنا ہے کہ: "انسان صرف مادی دنیا کا ادراک کرسکتا ہے (یعنی وہ صرف اس دنیا کے متعلق علم حاصل کرسکتا ہے جو حواس خمسہ کے ذریعہ قابل ادراک ہے)۔"

۳۴ BERTRAND RUSSELL (متوفی ۱۹۷۰ء) دور حاضر میں مغرب کا عظیم فلسفی اور ریاضی داں تھا۔

۳۵ لَااَدْرِیَہ یعنی لَااَدْرِیَہ مکتب فکر کا پیرو۔ لَااَدْرِیَہ کا لفظی ترجمہ ہے "میں نہیں جانتا۔" اس مکتبِ فکر کی تعریف آگے آرہی ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

لَااَدْرِیوں کے اعتراف کے بموجب ان کے عقیدہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اس ظاہری اور مادی دنیا کے علاوہ کسی روحانی و عقلی ہستی یا روح کی موجودگی کا انکار کریں۔ (وہ وجود جسے صرف عقل و فکر کی کاوشوں کے ذریعہ درک کیا جا سکتا ہو۔) ممکن ہے کوئی ایسی ہستی بھی ہو لیکن ہمارے اندر اس کے ادراک کی صلاحیت نہیں ہے۔ "میں نہیں جانتا۔"

لَااَدْرِیَہ خیالات والے الحاد و مادیت کو بھی اسی بنیاد پر رد کرتے ہیں کہ یہ دہریہ لوگ ایک بے دلیل نظریہ پر قائم ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کسی چیز کو جان نہیں سکتے تو آپ کو اسے رد کرنے یا اس سے انکار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لَااَدْرِیَہ کا واحد جواب روح خدا اور غیر مادی موجودات کے سلسلہ میں یہ ہے کہ "ہم کچھ نہیں جانتے اور نہ ابھی تک کوئی ایسا معقول سبب نظر آیا ہے جس پر اعتماد کرتے ہوئے ہم یہ امید کریں کہ آئندہ کبھی ہم اس سلسلہ میں کچھ جان سکیں گے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ چونکہ انسان محدود ہے لہٰذا وہ کبھی بھی لامحدود ذات کا ادراک نہیں کر سکتا۔"

جناب کوپلستون نے مناظرہ[۳۶] کے شروع میں رسل سے سوال کیا تھا کہ "کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آپ کا موقف لَااَدْرِیَہ کا ہے یا الحاد کا؟ یعنی کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے موجود نہ ہونے کو ثابت کیا جا سکتا ہے؟" رسل نے جواب دیا کہ "نہیں میں یہ نہیں کہتا۔ میرا موقف لَااَدْرِیَہ کا ہے۔"

اگر رسل لَااَدْرِیَت (AGNOSTICISM) کا معتقد تھا تو خدا اور حیاتِ اُخروی کے سلسلہ میں ان تمام سوالات کے جواب میں اسے صرف یہ کہنا چاہئے تھا کہ "مجھے نہیں معلوم" لیکن وہ کتاب کے گردپوش پر یہ اعلان کرتا ہے کہ "میں اس بات کا معتقد ہوں کہ مرنے کے بعد سڑ گل جاؤں گا اور میری انا میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔"

اس کتاب میں تضاد کی دوسری مثال: رسل کتاب کے شروع میں لکھتا ہے کہ "میری نظر میں دنیا کے تمام ادیان - بودھ مت، ہندوازم، عیسائیت، اسلام اور کمیونزم - باطل بھی ہیں اور نقصان دہ بھی۔ یہ بات منطقی نقطۂ نظر سے بہت ہی واضح ہے کیونکہ یہ (سب اَدیان) آپس میں ایک دوسرے

---

[۳۶] یہ مناظرہ ۱۹۴۸ء میں ہوا تھا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

سے اختلاف رائے رکھتے ہیں لہٰذا ان میں سے صرف ایک ہی سچا اور برحق ہو سکتا ہے۔"

اس بیان کے بعد ہر انسان رسل سے یہ توقع کرے گا کہ وہ مذکورہ تمام ادیان کا مطالعہ کر کے یہ ثابت کرے کہ کیوں ان میں سے ایک بھی سچا اور برحق نہیں ہے۔ لیکن برٹرینڈ رسل نے اپنے مقالات میں کہیں بھی اس بحث کو اس کے منطقی نتیجہ تک پہنچانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس نے صرف یہ کہا کہ "چونکہ یہ تمام ادیان آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھتے ہیں لہٰذا ان میں سے صرف ایک ہی سچا اور برحق ہو سکتا ہے۔" اور پھر وہ اس من مانے نتیجہ پر پہنچ گیا کہ "ان ادیان میں سے ایک بھی برحق نہیں۔"

اس قسم کا تضاد ہر مضمون میں پایا جاتا ہے۔ اس کتاب کو ختم کرنے کے بعد پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر ان مضامین کو رسل کے بجائے کسی معمولی آدمی نے لکھا ہوتا تو شاید ہی ناشرین اسے چھپوانے کے لئے تیار ہوتے۔

اس کتاب کا پہلا مضمون "میں کیوں عیسائی نہیں ہوں؟" ۱۹۲۷ء میں ایک تقریر کی صورت میں پیش کیا گیا تھا۔ رسل نے اس تقریر میں وجودِ الٰہی پر کلیسا کے استدلال کو رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

> "شاید سب سے آسان اور قابلِ فہم استدلال، علّتِ اولیٰ کی دلیل ہے (اس استدلال میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ اس دنیا میں ہر قابل مشاہدہ شے کے لئے ایک علّت کا ہونا لازمی ہے۔ اور آپ جب اس سلسلۂ عِلل و معلولات کا پیچھا کرتے جائیں تو آخر کار آپ ایک علّتِ اولیٰ تک پہنچ جائیں گے اور اس علت کو آپ خدا کہتے ہیں)۔ میں جب جوان تھا اور اپنے ذہن میں ان سوالات پر سنجیدگی سے غور کرتا تھا تو اس زمانے میں کافی عرصے تک میں اس دلیل علّتِ اولیٰ کو مان چکا تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز اٹھارہ سال کی عمر میں، میں نے جون سٹوارٹ مل[۳۷] کی خود نوشت سوانح حیات پڑھی جس میں مجھے یہ فقرہ ملا: "میرے والد نے مجھے سکھایا تھا کہ یہ سوال 'مجھے کس نے

---

۳۷ JOHN STUART MILL (متوفی ۱۸۷۳ء)

Presented by: https://jafrilibrary.com

خلق کیا ہے؟' قابل جواب نہیں چونکہ اس سوال کے جواب میں فوراً ہی یہ سوال پیدا ہو گا کہ 'خدا کو کس نے خلق کیا ہے؟'" اس معمولی سے فقرے نے جیسا کہ میں اب بھی قائل ہوں، علّتِ اولٰی کی دلیل کے مغالطہ کو میرے لئے واضح کر دیا۔"

شاید رسل نے غیر ارادی طور پر خدا پر ستوں کے استدلال کو غلط طریقہ سے نقل کیا ہے۔ یاد داشت کو تازہ کرنے کے لئے قارئین محترم اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے ابواب کو دوبارہ مطالعہ کریں۔ ان ابواب میں آپ حسبِ ذیل عبارت دیکھیں گے:

"چونکہ اس کائنات کی ہر شے ممکنُ الوجود ہے لہٰذا اس کا ربط عدم اور وجود سے مساوی اور برابر ہے۔ ایک زمانہ میں یہ اشیاء موجود نہ تھیں، اب یہ موجود ہیں اور آئندہ کسی وقت وہ پھر معدوم ہو جائیں گی۔ یہ اشیاء ذاتی طور پر نہ وجود کا تقاضا کر سکتی ہیں اور نہ عدم کا تقاضا کر سکتی ہیں۔ لہٰذا ایک مبداء یا علّت کا ہونا ضروری ہے جو انہیں کو وجود میں لائے یا ان کے وجود کو خاتمہ بخشے۔"

اور اس کے بعد وہ اہم نکتہ آتا ہے جسے رسل نے چھوڑ دیا ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اس علّت کو خود "ممکن" نہ ہونا چاہئے ورنہ وہ خود اپنے وجود کے لئے ایک دوسری علّت کی محتاج ہو گی۔ اور اس سلسلہ علل و معلولات کو بالاخر لازمی طور پر ایک ایسی علّت پر رکنا چاہئے جو اپنے وجود کے لئے کسی دوسری علّت یا مبداء کی محتاج نہ ہو۔ یعنی کائنات کی آخری علّت و مبداء کا "واجب الوجود" اور "قائم بالذات" ہونا ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص ہماری اس کتاب میں بیان کردہ علّتِ اولٰی کے استدلال کا عیسائیت کے طرز استدلال سے موازنہ اور مقابلہ کرے تو اسے دو اہم فرق نظر آئیں گے۔

(یہاں عیسائیت کے طرز استدلال کو رسل کی عبارت سے نقل کیا گیا ہے۔) رسل عیسائیت کی دلیل علّتِ اولٰی کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے: "اس دنیا میں ہر قابل مشاہدہ شے کے لئے ایک علّت کا ہونا لازمی ہے۔" جبکہ اسلامی طرز استدلال کے مطابق یوں کہنا چاہئے کہ "اس دنیا مین ہر قابل مشاہدہ شے ممکنُ الوجود ہے لہٰذا اس کے وجود کے لئے ایک علّت کا ہونا

Presented by: https://jafrilibrary.com

لازمی ہے۔"

پھر رسل کہتا ہے: "آپ جب اس سلسلۂ علل و معلولات کا پیچھا کرتے جائیں تو آخر کار آپ ایک علّتِ اولٰی تک پہنچ جائیں گے۔" جبکہ اسلامی استدلال کی روسے اسے یوں کہنا چاہئے تھا کہ: "اس سلسلۂ علل و معلولات کو بالاخر ایک ایسی علّت پر رکنا چاہئے جو اپنے وجود کے لئے کسی دوسری علّت یا مبداء کی محتاج نہ ہو یعنی کائنات کی آخری علّت و مبداء کا واجب الوجود اور قائم بالذات ہونا ضروری ہے۔"

رسل کے طرزِ بیان کو ان تبدیلیوں کے ساتھ پڑھئے اور دیکھئے کس طرح اس کی دلیل اپنا وزن کھو بیٹھتی ہے۔

رسل نے گمان کیا کہ اس استدلال کا کسی معقول دلیل کے بغیر تمسخر اڑانا ہی کافی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "میں خدا پرستوں کے مغالطہ کی مثال یوں پیش کر سکتا ہوں: ہر انسان کی ایک ماں ہے اور میرا خیال ہے کہ خدا پرستوں کا استدلال یہ ہے کہ (چونکہ ہر انسان کی ایک ماں ہے لہٰذا) نوع انسانی کے لئے بھی ایک ماں کا ہونا لازمی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ نوع انسان کی کوئی ماں نہیں ہے۔"

میں سمجھتا ہوں کہ خود رسل بھی مغالطہ میں گرفتار ہو گیا ہے۔ وہ یہ نہ دیکھ سکا کہ خدا پرست یہ نہیں کہتے کہ "ہر ممکن الوجود کی ایک ممکن الوجود علّت ہے، لہٰذا پوری کائنات کے لئے بھی ایک ممکن الوجود علّت ہونی چاہئے۔" ہمارا استدلال یہ ہے کہ "چونکہ کائنات کے تمام اجزاء ممکن الوجود ہیں اور چونکہ کروروں، اربوں ممکن الوجود اشیاء کا مجموعہ بھی ممکن الوجود ہی ہو گا لہٰذا کائنات کے لئے کائنات سے الگ ایک ایسی علّت کا ہونا ضروری ہے جو اسے وجود میں لائے اور اس علّت کو واجبُ الوجود اور قائم بِالذّات ہونا چاہئے۔" اور چونکہ وہ علّتِ اولٰی واجبُ الوجود اور قائم بِالذّات ہے لہٰذا یہ سوال ہی غلط ہو گا کہ "خدا کو کس نے خلق کیا ہے؟"

Presented By: https://jafrilibrary.com

۱۴۔ کیا خلقت محض ایک اتفاق کا نتیجہ ہے؟ خالق کے بغیر؟

رسل کہتا ہے: "اگر کوئی شے بغیر علّت کے موجود ہو سکتی ہے تو کیوں نہ دنیا بھی خدا کی طرح (علّت کے بغیر) ہو؟"

دنیا بغیر علّت کے کیوں وجود میں نہیں آ سکتی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے اجزاء کسی زمانے میں وجود رکھتے ہیں اور کسی زمانے میں موجود نہیں ہوتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی ذات میں، ان کی فطرت میں، ایسی کوئی چیز نہیں جو تقاضائے وجود کرسکے۔ اگر یہ اجزاء عالم آج موجود ہیں تو یقیناً کسی دستِ غیبی نے ترازو کو، جو وجود اور عدم کے لحاظ سے برابر تھا، وجود کی طرف جھکا دیا ہے اور اگر وہ اشیاء صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں تو ضرور اس کا سبب یہ ہوگا کی اسی دست غیبی نے اس ترازو کو عدم کی طرف جھکا دیا ہے۔

رسل: "اور نہ کوئی دلیل ہے جو یہ بتا سکے کہ یہ دنیا کیوں ہمیشہ سے موجود نہ تھی۔"

اس دعویٰ کو کہ دنیا ہمیشہ سے موجود تھی سائنس کے تمام موجودہ نظریات نے رد کردیا ہے۔ اور یہ سائنسی دلیل اس فلسفی دلیل کے علاوہ ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ ممکن الوجود اشیاء کا مجموعہ ازل سے (ہمیشہ سے) موجود نہیں رہ سکتا۔ قارئین محترم ساتویں باب کو دوبارہ پڑھیں، جہاں انہیں یہ نظر آئے گا کہ انسان چاہے جو بھی نظریہ اپنائے، مادّہ کو کبھی بھی ازلی و ابدی ثابت نہیں کرسکتا ہے۔

پھر رسل کہتا ہے کہ: "اس بات کے لئے کوئی دلیل نہیں کہ دنیا کیوں علّت کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتی تھی۔"

اس جملہ پر تنقید سے قبل میں رسل کے ان الفاظ کو (اسی مضمون سے) نقل کرنا چاہتا ہوں جس میں اس نے اس خیال کو رد کیا ہے کہ دنیا میں کوئی "قانونِ فطرت" (یا قانونِ طبیعت)[۳۸] موجود

---

۳۸ THE NATURAL LAW

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے۔

رسل لکھتا ہے:

"جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں ایک قاعدہ ہے کہ اگر آپ پانسہ پھینکتے جائیں تو آپ کو چھتیس مرتبہ میں دو مرتبہ چھ ملے گا، لیکن ہم اس قاعدہ کو اس بات کی دلیل نہیں سمجھتے کہ پانسہ کا گرنا کسی نظام کے تحت ہے بلکہ اس کے برخلاف اگر پانسہ ہر دفعہ چھ لاتا تب ہمیں یہ سمجھنا پڑتا کہ اس میں کسی نظام (DESIGN) کا دخل ہے۔"

(یعنی چھتیس مرتبہ میں دو مرتبہ چھ کا آنا "اتفاق" (CHANCE) کی بنیاد پر ہے، جبکہ ہر دفعہ چھ کا آنا "نظم و قانون" کے تحت ہو گا)۔

یہاں پر رسل اعتراف کرتا ہے کہ اگر حوادث ایک ہی ترتیب سے بار بار رونما ہوں تو یہ نظم و نسق کے وجود کی دلیل ہے۔ اب حیرت ہوتی ہے کہ کیوں مسٹر رسل نے چند لمحوں کے لئے کہکشاں، ستاروں، سیاروں اور چاندوں کی انتہائی منظّم اور مرتب گردش و حرکت کو ملاحظہ نہیں کیا؟ فرض کیجئے کی کوئی شخص فضائے بسیط (خلاء) میں ہے، جس نے کبھی بھی زمین اور انسانوں کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ وہ ایک روز ایک خلائی جہاز کو دیکھتا ہے جو وہاں سے تیزی سے گزر رہا ہے اور تھوڑے وقفہ کے بعد پھر دوسر اخلائی جہاز اور اس کے بعد پھر ایک اور خلائی جہاز گزر رہا ہے۔ یہ خیال رہے کہ ان خلائی جہازوں کا راستہ ایک نہیں ہے اور دو جہازوں کے ظہور کا درمیانی وقفہ بھی کسی سسٹم کے تحت نہیں ہے، جس سے ان کی آئندہ ظہور کا اندازہ لگاکر کوئی پیش گوئی کی جا سکے۔ اس شخص کو ان خلائی جہازوں کے مشاہدے سے یہ ضرور اندازہ ہو جائے گا کہ ہر ایک خلائی جہاز ہزاروں اجزاء اور کل پرزوں سے مل کر بنا ہے، جو ایک دوسرے سے اچھی طرح مربوط ہیں اور مجموعی طور پر یہ تمام اجزاء ایک انتہائی ہم آہنگ اور طاقت ور مشین کو تشکیل دیتے ہیں جو بہترین طریقہ سے کام کر رہی ہے۔

اب اگر وہ شخص یہ کہے کہ یہ خلائی جہاز کسی صانع کے بغیر وجود میں آئے ہیں تو رسل اس کے بارے میں کیا فرمائیں گے؟

اور اگر وہ سب خلائی جہاز اپنی رفتار اور ان کے درمیانی فاصلہ کے اعتبار سے بھی منظّم ہوتے

Presented By: https://jafrilibrary.com

تو مسٹر رسل نے کتنی سختی سے فضائے بسیط کے اس بد دماغ باشندے کی مذمت کی ہوتی؟

یاد رہے کہ اس مثال میں اس خلائی جہازوں کا آپس میں کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ اب آپ اس مثال کا کائنات سے موازنہ کریں جس میں کروروں اربوں کہکشاں موجود ہیں اور ہر ایک کہکشاں میں لاکھوں نظامِ شمسی ہیں اور ہر نظامِ شمسی میں متعدد سیارات ہیں اور ان میں سے ہر سیارہ کے متعدد چاند ہیں۔ اور یہ سب ایک دوسرے سے کشش ثقل کی زنجیر کے ذریعہ بندھے ہوئے ہیں اور اس طرح ہر کہکشاں دوسرے کہکشانوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور خود ان سب سے اثر پذیر ہے۔ اور اس کے بعد سوچئے کہ مسٹر رسل فرماتے ہیں کہ یہ سب چیزیں اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ کائنات کسی پلان اور ڈیزائن کے تحت بنائی گی ہے!!۔

فرینک ایلن (مانیٹوبا یونیورسٹی کینیڈا میں بایو فزکس کے سابق پروفیسر) اپنے مضمون[۳۹] "آغازِ جہاں - ایک اتفاق ہے یا نظم و تدبیر" میں رقم طراز ہیں:-

"اگر حیات (LIFE) کی پیدائش میں کسی ڈیزائن کا دخل نہیں تھا تو (دوسری صورت یہ ہے کہ) جاندار مادّہ یقیناً اتفاق کے طور پر وجود میں آیا ہوگا۔ اب یہ "اتفاق" یا بہ اصطلاح "احتمال مرجح" (THEORY OF PROBABILITY) ریاضیات کی انتہائی ترقی یافتہ تھیوری ہے، جو علوم کے اس وسیع میدان میں کار آمد ہوتی ہے جو یقین محض کے ماوراء ہے۔ یہ تھیوری ہمیں ایسے مستحکم اصول عطا کرتی ہے جس کے ذریعہ ہم حق کو باطل سے اور صحیح کو غلط سے تمیز دے سکیں اور کسی حادثہ یا واقعہ کے وقوع کے امکان اور اس کی کیفیت کا اندازہ لگا سکیں۔

"پروٹین تمام زندہ خلیوں کا اشد ضروری حصہ ہے اور یہ پانچ عناصر پر مشتمل ہے: کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن اور سلفر (گندھک) اور اس کے ذرات میں تقریباً چالیس ہزار (۴۰،۰۰۰) ایٹم ہوتے ہیں۔

"دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عالم طبیعت میں کل ۹۲ کیمیاوی عناصر بے ترتیب پھیلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس 'امکان' یا احتمال مرجح حساب لگایا جا سکتا ہے کہ کیونکر یہ پانچ عناصر

---

۳۹ *THE ORIGIN OF THE WORLD: BY CHANCE OR DESIGN* BY FRANK ALLEN

Presented by: https://jafrilibrary.com

ایک دوسرے سے ملیں گے، تاکہ ایک ذرہ بنا سکیں اور کتنی مقدار میں مادہ موجود ہونا چاہئے، جو مسلسل ایک دوسرے سے ٹکراتا رہے اور اس طرح مختلف عناصر ایک دوسرے کے قریب آتے رہیں اور کتنا وقت اس عمل کو انجام دینے میں صرف ہوگا۔ سوئٹزرلینڈ کے ایک ریاضی داں چارلس ایوگن گوئے نے یہ حساب کیا ہے[۴۰] اور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اس کام کے وقوع پذیر ہونے کا امکان 10^{160} میں ایک ہے یعنی آپ دس کو دس سے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) مرتبہ ضرب دیجئے جس سے وہ نمبر دستیاب ہوگا جو الفاظ میں بیان کرنے کی حد سے پرے ہے۔[۴۱]

"مادّہ کی وہ مقدار جس کے ساتھ ملانے سے اتفاق کی بنیاد پر پروٹین کا ایک ذرّہ وجود میں آئے گا اس پوری کائنات میں موجود مادے کی مقدار سے ۴ ملین (MILLION) بار زیادہ ہونی چاہئے اور صرف اس کرہ ارض پر پروٹین کے ایک ذرہ کی پیدائش کے لئے بے انتہا اربوں (10^{243}) سال کا وقت لگے گا[۴۲]۔

"پروٹین ایک طویل زنجیر سے بنتا ہے جسے امینو ایسڈ (AMINO ACID) کہا جاتا ہے۔ (پروٹین کی تولید کے لئے) اس امینو ایسڈ کے اجتماع کا صحیح طریقہ بہت ہی اہم ہے، اگر وہ صحیح طرح جمع نہ ہوں تو وہ نہ صرف حیات کو ایجاد نہیں کر سکتے بلکہ زہر بن جائیں گے۔ انگلستان کے پروفیسر جے۔ بی۔ لیتھس[۴۳] نے حساب لگایا ہے کہ ایک معمولی سی پروٹین کی زنجیر کے حلقوں کو اربوں 10^{48}[۴۴] مختلف طریقوں سے رکھا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ پروٹین کے صرف ایک ذرہ کی پیدائش کے لئے اتنے بے شمار 'اتفاقات' وقوع پذیر ہوئے ہوں!۔"

یہ تو پروٹین کے صرف ایک ذرہ کی بات ہے جبکہ ساری کائنات یا پوری زمین تو در کنار، صرف

---

۴۰ جیسا کہ V. H. MOTTRAN نے LINER *ORGAN CORPORATION*, (۲۲ اپریل ۱۹۴۸ء) میں نقل کیا ہے۔

۴۱ اس عدد کو لکھنے کے لئے آپ کو ایک کے بعد ۱۶۰ (ایک سو ساٹھ) صفر لگانا پڑیں گے۔

۴۲ اس عدد کو لکھنے کے لئے آپ کو ایک کے بعد ۲۴۳ (دو سو تینتالیس) صفر لگانا پڑیں گے۔

۴۳ J. B. LEATHES

۴۴ اس عدد کو لکھنے کے لئے آپ کو ایک کے بعد ۴۸ (اڑتالیس) صفر لگانا پڑیں گے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

ایک انسان کی جسم میں پروٹین کے لاتعداد اربوں ذرات موجود ہیں۔ یقیناً یہ پروٹین نظم و تدبیر کے تحت پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر بھی جناب رسل اپنے فرضیۂ اتفاق سے چپکے ہوئے ہیں۔

فرینک ایلن نے مزید لکھا: "لیکن پروٹین ایسے کیمیاوی عناصر کا مجموعہ ہے جن میں حیات نہیں۔ البتہ جب پراسرار حیات ان میں حلول کرتی ہے تب وہ عناصر زندہ ہوتے ہیں۔ صرف عقل لامحدود و لازوال نے یعنی خدا ہی نے یہ فیصلہ کیا ہوگا کہ اس قسم کا پروٹینی ذرہ منزل حیات ہو سکتا ہے اور اسی نے اس ذرہ کو بنایا ہوگا اور اسے زندہ کیا ہوگا۔"

رسل نے ان الفاظ میں اس استدلال کو چیلنج کرنے کی جرات کی ہے:

"آپ سب لوگ دلیل نظم[۴۵] سے واقف ہیں: دنیا میں ہر شے اس طرح بنائی گئی ہے تاکہ ہم لوگ اس دنیا میں رہ سکیں، اور اگر یہ دنیا اپنی موجودہ حالت سے ذرا سی بھی مختلف ہوتی تو ہم اس دنیا میں زندہ نہ رہ سکتے۔ یہ ہے دلیل نظم۔ بعض اوقات یہ استدلال ایک دلچسپ صورت اختیار کرتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ خرگوش کی دم اس لئے سفید خلق کی گئی ہے، تاکہ اس کے شکار کرنے میں آسانی ہو۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ خود خرگوش اس ڈیزائن کے بارے میں کیا سوچے گا۔ یہ ایک ایسا استدلال ہے جس کو مضحکہ خیز صورت میں پیش کرنا بہت آسان ہے۔ والٹیئر کے تبصرہ سے تو آپ سب واقف ہوں گے کہ - ناک اس طرح سے اس لئے بنائی گئی تھی تاکہ عینک اس پر آسانی سے ٹھہر سکے۔ اس قسم کی پیروڈی آج کل عقل سے اتنی دور نہیں معلوم ہوتی جتنی اٹھارہویں صدی میں معلوم ہوتی تھی کیونکی ڈارون کے بعد ہم یہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جاندار موجودات اپنے کو کس طرح اپنے ماحول کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔

"یعنی یہ صحیح نہیں ہے کہ ماحول جاندار موجودات کے لئے موزوں و مناسب بنایا گیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان موجودات نے اپنے کو ماحول کے ساتھ سازگار بنالیا ہے، اور یہی نظریۂ انطباق کی بنیاد ہے اور اس میں ڈیزائن یا نظم کا کوئی ثبوت نہیں پایا جاتا۔"

فی الحال ہم یہ مان لیتے ہیں کہ جاندار موجودات نے اپنے کو ماحول سے سازگار بنالیا تھا لیکن

---

۴۵ دلیل نظم (THE ARGUMENT FROM DESIGN)

Presented by: https://jafrilibrary.com

کیا رسل واقعاً ایسا اندھا تھا کہ وہ اس حقیقت کو نہ دیکھ سکا کہ ان زندہ موجودات کی پیدائش سے کروروں سال قبل یہ کرہ ارض، اس کی فضا، اس کی پوری ساخت اور شمس و قمر اور دوسرے سیارات سے اس کا ارتباط اور ہم آہنگی - یہ سب چیزیں ایسے موزوں اور مناسب طریقہ سے وجود میں لائی گئی تھیں کہ زمین پر زندگی ممکن ہو سکتے۔ کیا مسٹر رسل ہم لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ زندہ موجودات یعنی انسان و حیوانات نے اپنے وجود سے بہت پہلے پوری کائنات کے نظم اور بالخصوص زمین کے سسٹم اور ڈیزائن پر اس طرح اثر ڈالا تھا کہ کروروں سال بعد وہ حیوانات و انسان اس میں پیدا ہو سکیں؟

فرینک ایلن اپنے اسی مقالہ میں رقم طراز ہے:

"زمین کے نظم میں لاتعداد ہم آہنگیاں پائی جاتی ہیں جو حیات و زندگی کے لئے ممد اور موزوں ہیں اور ان ہم آہنگیاں کی یہ بے شمار مقدار کسی طرح بھی 'اتفاق' کی مرہون منت نہیں کہی جا سکتی۔ (اس مطلب کے سمجھنے کے لئے آئیے نظم زمین کا جائزہ لیا جائے)

"سب سے پہلے تو یہ کہ ہماری زمین ایک ایسا کرہ ہے، جو آزادی سے خلاء میں اپنے توازن کو برقرار رکھے ہوئے اپنے قطبی محور پر گھوم رہا ہے۔ اس گردش سے دن اور رات بنتے ہیں اور اسی طرح یہ زمین سورج کے گرد اپنے مدار پر اپنا سالانہ سفر پورا کرتی ہے۔ زمین کی یہ دونوں گردشیں فضائے بسیط میں اس کے اتجاہ کو استحکام بخشتی ہیں۔ اور اس گردش کے ساتھ ساتھ زمین کے محور کے ایک خاص زاویہ پر جھکاؤ سے (۲۳ ڈگری جو کہ زمین کے مدار کو ایک بیضوی شکل دیتا ہے) موسموں کی تبدیل میں ایک باضابطگی اور نظم پیدا ہوتا ہے اور اس طرح زمین کا وہ حصہ دو گنا ہو جاتا ہے، جس میں لوگ رہ سکتے ہیں اور نباتات میں بھی تنوعات پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ایک ساکن اور غیر متحرک سیارہ مہیا نہیں کر سکتا تھا۔

"دوسرے یہ کہ زمین کے گرد کافی بلندی تک (تقریباً ۵۰ میل تک) ان گیسوں کی فضا موجود ہے جو حیات کے لئے ممد اوت سازگار ہیں اور گیسوں کی یہ فضا اتنی کثیف ہے کہ زمین کو ان بیس (۲۰) ملین شہاب ہائے ثاقب کے مہلک ٹکراؤ سے بچا سکے جو کہ روزانہ زمین کی فضا میں

Presented by: https://jafrilibrary.com

۳۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے داخل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس گیس کی فضا کا ایک اور اہم کام ہے اور وہ یہ کہ گیس کی یہ فضا زمین پر حرارت کو قائم رکھتی ہے جو زندگی کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ اتنی ڈگریوں کے درمیان اور اسی فضا کی بدولت سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں جو کہ ہزاروں میل دور تک پہنچ کر پیاسی زمین کو میٹھے پانی سے سیراب کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہماری زمین موت کا ایک بھیانک جزیرہ بن جاتی۔ الغرض سمندر اور فضا باہم مل کر فطرت کے توازن کے پہیے (BALANCE-WHEEL) کا کام دیتے ہیں۔

"پانی کی چار اہم خصوصیات پر خاص طور سے غور کرنے کی ضرورت ہے:

پانی بہت کم درجہ حرارت پر بہت زیادہ مقدار میں آکسیجن جذب کرتا ہے۔

پانی کی کثافت (DENSITY) ۴ ڈگری سینٹی گریڈ (نقطۂ انجماد) سے پہلے سب سے زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے دریاؤں اور جھیلوں کا پانی اپنی اصلی حالت میں باقی رہتا ہے اور منجمد نہیں ہوتا۔

برف کی کثافت کا پانی کی کثافت سے کم ہونا جس کی وجہ سے برف پانی کی سطح پر تیرتی رہتی ہے۔

اور آخری خصوصیت یہ کی پانی جب منجمد ہوتا ہے تو بہت بڑی مقدار میں حرارت خارج کرتا ہے۔

اور یہ سب خصوصیتیں باہم مل کر موسم سرما کے لمبے عرصے میں سمندروں، دریاؤں اور جھیلوں میں زندگی کو باقی رکھتی ہیں۔

"خشک زمین دنیاوی زندگی کے لئے ایک مضبوط پلیٹ فارم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی مٹی وہ معدنیات و نمکیات فراہم کرتی ہے، جن کو پودے جذب کرتے ہیں۔ پھر اسے ایسی غذا میں تبدیل کر دیتے ہیں جو کہ انسان اور حیوان کھاتے ہیں۔ دھاتوں کے زمین کی سطح سے قریب ہونے کی وجہ سے انسانی تہذیب و تمدن ممکن ہو سکی ہے۔

"اس وسیع و لامحدود کائنات کے مقابلہ میں زمین کے چھوٹے حجم کو کبھی کبھی حقارت

Presented by: https://jafrilibrary.com

کی نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن کیا لوگوں کو پتہ نہیں کہ اس زمین میں ہزاراوں رمز پوشیدہ ہیں؟

"اگر زمین موجودہ حجم یا سائز سے کم ہو کر چاند کے برابر ہو جائے (یعنی اپنے موجودہ قطر کا ¼ ہو جائے) تو کشش ثقل اتنی کم ہو جائے گی کہ موجودہ کشش ثقل کا صرف چھٹا حصہ رہ جائے گی۔ اور زمین کی فضا اور اس کے اطراف میں پھیلے ہوئے پانی (یعنی سمندروں) کو زمین کے متصل نہ رکھ سکے گی اور زمین کا درجۂ حرارت زندگی کے لئے مہلک حدود تک پہنچ جائے گا۔

"اور اگر زمین کا حجم موجودہ قطر سے دو گنا ہو جائے تو زمین کی سطح چار گنا بڑھ جائے گی اور اس کی کشش ثقل کی قوت بھی دو گنی ہو جائے گی۔ اس صورت میں فضا کی بکندی خطرناک حد تک گھٹ جائے گی اور زمین پر اس کا دباؤ پندرہ (۱۵) سے دو گنا ہو کر تیس (۳۰) پاؤنڈ فی مربع انچ ہو جائے گا، جس کی وجہ سے زندگی پر بہت خطرناک اثرات ظاہر ہوں گے، موسم سرما کے علاقے بہت زیادہ بڑھ جائیں گے اور آبادی کے لائق علاقے خطرناک حد تک چھوٹے ہو جائیں گے۔ انسانوں کی مختلف آبادیاں ایک دوسرے سے کٹ جائیں گی، آمد و رفت اور مواصلات کے ذرائع بہت مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہو جائیں گے۔

"اگر زمین حجم میں سورج کے برابر ہوتی لیکن اس کے ٹھوس پن میں کوئی فرق نہ ہوتا تو کشش ثقل ڈیڑھ سو گنا بڑھ جاتی، فضا محدود ہو کر صرف ۴ میل کی بلندی تک رہ جاتی، پانی کا بخارات میں تبدیل ہونا تقریباً ناممکن ہو جاتا اور زمین پر دباؤ ایک ٹن فی مربع انچ تک بڑھ جاتا۔ آج جس حیوان کا وزن ایک پاؤنڈ ہے اس کا وزن ڈیڑھ سو پاؤنڈ ہو جاتا، انسان چھوٹے ہو کر گاہری کے برابر ہو جاتے اور ایسی مخلوق کے لئے فکر و تعقل ناممکن ہو جاتا۔

"اگر زمین اور سورج کے مابین جو فاصلہ ہے وہ اس سے دو گنا ہوتا تو سورج کی حرارت جو ہم تک پہنچتی ہے وہ موجودہ مقدار کی چوتھائی رہ جاتی، زمین کی اپنے مدار پر سالانہ گردش کی رفتار آدھی ہو جاتی، موسم سرما کا دور دو گنا ہو جاتا اور زندگی منجمد ہو کر ختم ہو جاتی۔

"اور اگر زمین اور سورج کے یہ فاصلہ آدھا ہوتا تو ہم تک چار گنا زیادہ حرارت پہنچتی۔ زمین

Presented by: https://jafrilibrary.com

کی اپنے مدار پر گردش کی رفتار دوگنی ہو جاتی اور اگر موسموں میں تبدیلی ہوتی بھی تو ان کا درمیانی وقفہ آدھا ہو جاتا اور زمین ایسی خشک ہو جاتی کہ زندگی کی بقاء ناممکن ہو جاتی۔ حقیقت میں کسی بھی طرح سے کوئی تبدیلی ہوتی تو یہاں زندگی ناممکن ہو جاتی۔

"زمین کا سائز، سورج سے اس کا فاصلہ اور اپنے مدار پر اس کی گردش کی رفتار، غرض ہر چیز اپنی جگہ پر اتنی موزوں ہے کہ اس کی وجہ سے زمین پر زندگی ممکن ہے تاکہ انسان جسمانی، ذہنی اور روحانی طور پر اپنی زندگی سے لطف اندوز ہو سکے جیسا کہ اس وقت ہو رہا ہے۔"

۱۵۔ لَاأَدْرِیَہ کے لئے محفوظ ترین راستہ

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، رسل نے لَاأَدْرِیَہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اگر ہم اس کے دعویٰ کو بِالفرض مان لیں تو اس کے لئے بہترین اور نقصان سے محفوظ ترین راستہ یہ تھا کہ وہ خالقِ کائنات اور معاد پر ایمان لاتا۔

اس بات کی وضاحت کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی مندرجہ ذیل حدیث کافی ہے:

ابن ابی العوجاء اور ابن المقفع حج کے موقع پر مسجدُ الحرام میں اپنے مُلحد احباب کے ساتھ بیٹھے تھے۔ (البتہ یہ لوگ ظاہری طور پر اپنے کو مسلمان کہتے تھے۔) ابن المقفع نے کعبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "تم لوگ اس مجمع کو دیکھ رہے ہو، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے انسان کہا جا سکے سوائے اس عمر رسیدہ شخص[۴۶] کے باقی سب لوگ تو جانور ہیں۔"

ابن ابی العوجاء نے کہا کہ تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟

ابن المقفع نے جواب دیا: "اس وجہ سے کہ میں نے اس شخص میں ایسی صفات (کمال و علم وغیرہ) دیکھی ہیں جو مجھے کہیں اور نظر نہیں آئیں۔"

ابن ابی العوجاء نے کہا: "اب میرے لئے یہ تحقیق کرنا ضروری ہو گیا ہے کہ یہ بات صحیح ہے

[۴۶] یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

یا نہیں۔"

ابن المقفع نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ رکا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ پلٹا اور کہنے لگا کہ: "اے ابن المقفع! وہ صرف انسان ہی نہیں ہے بلکہ اگر اس دنیا میں کوئی ایسی روحانی (غیر مادی) شے پائی جا سکتی ہو جس میں اتنی قدرت ہو کہ جب چاہے انسانی شکل اختیار کر لے اور جب چاہے روحانی ہو جائے تو وہ یہی شخص ہے۔"

ابن المقفع: "وہ کیسے؟"

ابن ابی العوجاء: "میں ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا، جب دوسرے لوگ چلے گئے تو انہوں نے (قبل اس کے کہ میں سوال کرتا) گفتگو شروع کی اور کہا: 'اگر حق وہی ہے جس کے یہ لوگ (یعنی حجاج) معتقد ہیں تو یہ لوگ (آخرت میں عذابِ الٰہی سے) بچ جائیں گے اور تم لوگ مصیبت میں پڑ جاؤ گے اور اگر حقیقت وہ ہے جس کے تم لوگ (یعنی مُلحِدِیْن) قائل ہو (نہ کہ وہ جس کے مسلمان قائل ہیں) تو اس صورت میں تم لوگ اور وہ لوگ دونوں برابر رہو گے (یعنی کسی کو اپنے عقیدہ کی وجہ سے کوئی نقصان نہ ہو گا)۔' میں نے کہا: 'یَرْحَمُكَ اللّٰہ وہ کون سی بات ہے جو ہم کہتے ہیں اور جو وہ کہتے ہیں؟ کیونکہ میرے اور ان کے عقائد تو ایک ہی ہیں۔'

"امام علیہ السلام: 'تمہارے اور ان کے عقائد یکساں کیسے ہو سکتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ قیامت ہونے والی ہے اور جزا اور سزا ہے نیز وہ معتقد ہیں کہ ایک خدا کا وجود ہے (اور تم ان باتوں سے منکر)۔'"[۴۷]

امام کی گفتگو کا مقصد یہ تھا کہ اگر خدا اور روزِ قیامت کی کوئی حقیقت ہی نہیں جیسا کہ ابن ابی العوجاء کہتا ہے تو اس صورت میں خدا پرستوں اور دہریوں کی حالت موت کے بعد یکساں ہو گی یعنی دونوں ہمشہ کے لئے فنا ہو جائیں گے اور کسی کو اپنے اعتقادات کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، دوسری طرف اگر خدا واقعی موجود ہے اور قیامت ایک حقیقت ہے جیسا کہ خدا پرستوں کا کہنا ہے تو اس صورت میں مرنے کے بعد خدا پرست نجات پاجائیں گے اور سعادت سے بہرہ ور ہوں گے جبکہ مُلحِدِیْن اور کفار کو مشکلات و عذاب ابدی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

---

[۴۷] علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۳، ص۴۲۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

لہٰذا لَاادْرِیَہ کے لئے عقل کی ہدایت یہی ہے کی خدا اور معاد پر ایمان اور اعتقاد رکھیں تاکہ اپنے کو اس احتمالی ذلت اور عذاب ابدی سے بچا سکیں۔

(مصنّف مدظلہ العالی کے رسالہ *NEED OF RELIGION* میں PASCAL'S BET کا باب ملاحظہ فرمائیں۔)

۱۶۔ کائنات : وحدانیتِ الٰہی کی ایک روشن دلیل

سائنس کے عروج کے ساتھ ساتھ کائنات کا ایک بے نظیر ڈیزائن نظر کے سامنے آرہا ہے۔ ایک زمانے مین یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ زمین دنیا کا مرکز اور محور ہے اور یہ پوری کائنات، نو آسمانوں میں محدود ہے۔ ہمارے پانچویں امام حضر محمد باقر علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو بتایا تھا کہ اس دنیا کے علاوہ اور بے شمار دنیائیں موجود ہیں لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ اس وقت کے مسلمانوں نے امام علیہ السلام کی تعلیمات پر کوئی توجہ نہ دی اور کافر فلاسفہ مثلاً بطلیموس کے نظریہ کو اپنایا جو یہ تعلیم دیتا تھا کہ دنیا ساکن (یعنی غیر متحرک) ہے اور یہ کہ اجرام سماوی اس کے اردگرد گردش میں ہیں۔ امام علیہ السلام کے ارشادات سے لاپروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے لئے بابِ علم ہزار سال تک بند رہا۔

اس کے بعد وہ وقت آیا کہ جب انسان نے دوربینوں کے ذریعہ نظام شمسی کے اسرار کو دیکھا اور اسے سمجھنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجہ میں ان لوگوں نے سورج کو کائنات کا مرکز قرار دیا۔ اب اس دور میں ہمیں یہ پتہ لگا ہے کہ ہمار انظامِ شمسی تو ایک بہت ہی معمولی مجموعۂ اجرامِ فلکی ہے جو اس عظیم GALAXY یعنی ستاروں کے کنارے پر واقع ہے۔ جسے ہم کہکشاں MILKY WAY کہتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ چاند ایک خوشحال بچہ کی طرح جو اپنی ماں کے گرد ناچ رہا ہو، ہماری زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ ہماری زمین کے علاوہ اس نظام شمسی کے خاندان میں آٹھ اور سیارے ہیں جس میں سے پانچ کے اپنے تابع سیارات ہیں۔ مریخ اور نیپچوں میں سے ہر ایک کے دو دو چاند ہیں، مشتری کے بارہ چاند اور تابع سیارات ہیں، زحل کے نو اور یورینس کے پانچ چاند ہیں۔ سب چاند اور

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تابع سیارات اپنے سیاروں کے گرد گھومتے ہیں اور یہ سب سیارے اپنے چاندوں کے ساتھ مل کر سورج (جسے ہم اس خاندان کا "بزرگ" کہہ سکتے ہیں) کے اطراف گردش میں ہیں۔

اب مزید آگے بڑھنے سے قبل ذرا چند قدم پیچھے چلیں۔

یہ تمام سیارے، ان کے چاند اور تابع سیارات ایٹم سے بنے ہیں اور ایٹم خود اس نظام شمسی کا ایک بہت ہی چھوٹا سا نمونہ ہے۔ کسی زمانے میں یہ سوچا جاتا تھا کہ ایٹم تغیر ناپذیر یعنی ناقابل تقسیم ہے۔ اب یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ایٹم کے بہت سے اجزاء ہیں جس کی بنا پر ان کی فنا ناپذیری اور ابدیت کے نظریہ پر پانی پھر گیا۔ ایٹم ایک جوہری مرکزہ (NUCLEUS) اور چند منفی برقیوں (ELECTRONS) پر مشتمل ہے جوہری مرکزہ چند لطیف ذرات سے بنتا ہے، جسے برقیہ (NEUTRONS) اور مثبت برقیہ (PROTONS) کہا جاتا ہے۔ جوہری مرکزہ ایٹم کے مرکزا (یا وسط) میں واقع ہے، جو منفی برقیہ کے حصار میں ہے۔ مطلب کی وضاحت کے لئے یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ایٹم کا جوہری مرکزہ ایک بہت ہی چھوٹا ذرہ ہے لیکن بہت ہی وزنی ہے۔ سادے الفاظ میں یوں کہوں کہ ایٹم کے تقریباً تمام ذرات مرکزہ میں، مرتکز ہیں، جبکہ خود مرکزہ کا حجم ایٹم کے ۱/.....حصہ سے بھی کم ہے۔ ساٹھ ہی ساٹھ یہ بھی یاد رہے کہ اگر ۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰ (دس کروڑ) ایٹموں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ان کا حجم صرف ایک سینٹی میٹر ہو گا! اب جیسا کہ ہم نے پہلے کہا تھا کہ ایٹم خود ایک دنیا ہے۔ برقیوں اور مثبت برقیوں کی گردش یہ بتاتی ہے کہ جوہری مرکزہ ان کا محور ہے اور ان کی گردش سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ خود اپنے گرد بھی گھوم رہے ہیں۔

تو ہم نے دیکھا کہ بہت ہی چھوٹے نیم ایٹمی ذرّات سے لے کر عظیم نظامِ شمسی تک سب پر ایک ہی قسم کا نظام حکم فرما ہے۔

لیکن یہ داستانِ حقیقت یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں، سورج اپنے سیارات کے ساتھ کہکشاں کے ایک کنارے پر واقع ہے۔ "اگر ہم کچھ دور سے کہکشاں کا نظارہ کر سکیں تو ہمیں ستاروں کا ایک مدور سلسلہ نظر آئے گا جن کے پیچ دار دستے ہوں جیسے کہ وہ تیزی سے گھومتا ہوا گھن چکر ہو جس کے شرارے چاروں طرف لپکتے

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہوں۔"

ہماری کہکشاں کروڑوں علیٰحدہ ستاروں پر مشتمل ہے، جن میں سے ایک ہمارا یہ سورج ہے اور یہ ستاروں کا منظومہ طبیعی طور پر کشش ثقل سے باہم مربوط ہے اور یہ پورا منظومہ مجموعی طور پر فضا میں حرکت کرر رہا ہے۔ اسے گلیکسی کہا جاتا ہے۔ اگر ہم اپنے منظومہ شمسی کو ستاروں کا ایک خاندان سمجھیں تو گلیکسی کو ہم ایک بہت ہی بڑا قبیلہ کہہ سکتے ہیں جس میں اس قسم کے کروڑوں خاندان موجود ہیں۔

گلیکسی کی تعداد کے بارے میں پہلے کسی کو علم نہ تھا۔ لیکن ۱۹۲۰ء کے قریب یہ سوچا جاتا تھا کہ فضا میں کم از کم ۵،۰۰،۰۰۰ (پانچ لاکھ) GALAXIES موجود ہیں۔ اس کے بعد دور حاضر میں ہی ترقی یافتہ دوربینوں کے ذریعہ یہ انکشاف ہوا کہ GALAXIES کی تعداد ۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰ (دس کروڑ) ہے اور روز بروز نئی GALAXIES کا انکشاف ہوتو جا رہا ہے۔ جہاں تک دوربینوں کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں فضا میں GALAXIES کے جھرمٹ ہی جھرمٹ نظر آرہے ہیں۔

انسان کی معلومات فی الحال اپنے ابتدائی دور میں ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ ان کہکشانوں کے ماوراء کیا ہے، نہ ہمیں ان کی حرکت و گردش کے متعلق کچھ زیادہ معلوم ہے۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾[۴۸]

ترجمہ: اور ہم نے نیچے والے آسمان کو چراغوں سے زینت دی ہے۔

اس آیت میں "چراغ" سے مراد "ستارے" ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ابھی تک پہلے آسمان کی آخری حد تک نہیں دیکھ پائے ہیں اور کسے علم ہے کہ اس آسمانِ اول کے بعد کیا ہے!

﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾[۴۹]

ترجمہ: اور تم کو بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

تو آیئے ہم اپنے انہیں مختصر سے معلومات کے دائرہ ہی میں گفتگو کریں۔ ہم جانتے ہیں

---

۴۸ سورۂ الملک آیت ۵

۴۹ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۵

Presented by: https://jafrilibrary.com

کہ ایٹم کے ذرات اپنے محور پر گھوم رہے ہیں۔ تابع سیارات اپنے سیارات کے گرد گردش میں ہیں۔ سیارات اپنے ستاروں کے گرد چکر لگا رہے ہیں اور ستارے اپنے خاندانوں کے ساتھ کہکشاں میں حرکت کر رہے ہیں۔

وحدانیتِ الٰہی پر ہمار اعقیدہ بہت ہی خالص عقیدہ ہے۔

ہم نے گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران اپنے عقیدہ کے لئے لاتعداد دلائل پیش کئے ہیں۔ اب سائنس نے ہمارے لئے ایک اور راہ ہموار کر دی ہے، جو وحدانیتِ الٰہی کے عقیدہ پر آکے ختم ہوتی ہے۔ اس کو مختصر الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں: "کائنات کا ہم آہنگ نظام ایک ناقابل انکار دلیل ہے کہ یہ سب موجودات ایک اور صرف ایک ہی خالق کی بنائی ہوئی ہیں۔"

جب ہم دو ہوبہو ایک جیسی گھڑیوں کو دیکھتے ہیں تو کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ یہ دونوں گھڑیاں ایک ہی کارخانے میں بنائی گئی ہیں۔ اسی طرح جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ پوری کائنات مل کر ایک وحدت بنی ہوئی ہے، اس کے تمام اجزاء میں ایک ہی قسم کا نظام کار فرما ہے، اس کے تمام ذرات ایک ہی نظم پر چلتے ہیں تو ہمارا فطری تقاضا ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس پوری کائنات کو ایک اور صرف ایک ہی خالق نے خلق کہا ہے، بنایا ہے اور چلا رہا ہے۔

گھڑی اور کائنات کے درمیان آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ نقالی کرنے والے گھڑی کی تو نقل بنا سکتے ہیں لیکن جہاں تک کائنات کا سوال ہے تو سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ "کائنات کی تعریف بتاتی ہے کہ وہ صرف ایک ہے، کوئی اس کی نقل نہیں اتار سکتا یا اس کو تجربہ کے مراحل سے نہیں گزار سکتا۔" لہٰذا ہمیں نقلی خداؤں کے بارے میں سوچنے کی زحمت نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کائنات - یعنی مخلوقات ایک ہی ہے - تو اللہ - یعنی خالق - کیوں کر ایک سے زائد ہو سکتا ہے؟

اب ہم اپنی دنیا میں جاندار موجودات پر نظر دوڑائیں۔ یہاں بھی ہمیں ان جانداروں کی ہڈی کی ساخت میں ایک ہی نظم کار فرما نظر آرہا ہے۔ یہ امر بہت ہی دلچسپ ہے کہ مُلحِدِیْن اسی ہم آہنگی نظام سے خدا کے موجود نہ ہونے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "چونکہ تمام جاندار موجودات ایک نظام کے تحت ارتقاء کے منازل طے کرتے ہیں اور چونکہ مثال کی طور پر گبون،

Presented by: https://jafrilibrary.com

اورانگ، چمپانزی، گوریلا، ببون، بندر اور انسان کے ڈھانچے کی ساخت گویا ایک طرح کی ہے، لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ انہیں کسی خالق نے نہیں بنایا ہے۔"

بالفرض اگر کائنات میں یا جاندار موجودات کی ساخت میں یہ نظم نہ ہوتا اور نہ یکسانیت ہوتی اور اس بد نظمی کو یہ مُلحِدِین وجود خالق کے خلاف دلیل کے طور پر پیش کرتے تو یہ ایک معقول بات ہوتی لیکن نہایت تعجب انگیز ہے یہ امر کہ یہ لوگ اسی کائنات اور زندہ موجودات کی ہم آہنگی اور کمال نظم کو خدائے قادر و علیم کے وجود کے خلاف بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ ہر شخص اس استدلال کے نامعقول اور لغو ہونے کو سمجھ سکتا ہے۔ چونکہ کائنات کے نظم کا کمال ایک ناقابل انکار دلیل ہے، اس امر کی کہ اسے کسی اندھی اور بے شعور نیچر (طبیعت = NATURE) نے خلق نہیں کیا ہے۔ یہ انتہائی ستم ظریفی ہے کہ یہ لوگ ایک ایسا استدلال پیش کر رہے ہیں جو بنیادی طور پر ان کے دعویٰ کے خلاف جاتا ہے۔

ڈارونسٹ، نظام خلقت کائنات کو ان لوگوں کے خلاف بطور دلیل استعمال کر سکتے ہیں، جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک علیحدہ خالق ہے، یا ان لوگوں کے خلاف جو بالفرض یہ کہتے ہیں کہ گائے کو ایک نیک مزاج خالق نے پیدا کیا اور سانپ کو ایک بد مزاج خالق نے۔ یہ لوگ اس دلیل کو ان لوگوں کے خلاف کس طرح پیش کر سکتے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ ایک ہی خدا ہے جس نے تمام چیزوں کو اپنے قائم کئے ہوئے نظام کے تحت خلق کیا ہے؟

یہ بات بالکل ہی واضح ہے کہ ڈارون صحیح نتیجہ حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ وہ اس ازلی حقیقت کو نہ دیکھ پایا جو اس کی دلیل اسے دکھا رہی تھی۔ جن شواہد کو اس نے اکٹھا کیا تھا وہ بلند آواز میں کہہ رہے ہیں کہ پوری کائنات - جاندار و غیر جاندار - سب کو اسی ایک اور صرف ایک اللہ نے خلق کیا ہے، جو کہ قدیر اور علیم - ہر چیز پر قدرت رکھنے والا اور ہر چیز کو جاننے والا - ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۷۔ خدا پر ایمان کے سات دلائل
ایک سائنس داں کی زبانی

SEVEN REASONS WHY A SCIENTIST BELIEVES IN GOD مسٹر اے۔ کریسی مورس[۵۰] (سابو صدر، نیو یارک اکاڈمی آف سائنسز) کا یہ مقالہ پہلی مرتبہ ریڈرس ڈائجسٹ کے جنوری ۱۹۴۸ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ پھر پروفیسر سی۔ اے۔ کولسن، ایف۔ آر۔ ایس۔[۵۱] (آکسفرڈ یونیورسٹی میں ریاضیات کے پروفیسر) کی فرمائش پر ریڈرس ڈائجسٹ کے نومبر ۱۹۶۰ء کے شمارے میں دوبارہ شائع ہوا۔ یہ مضمون ہمیں بتاتا ہے کہ سائنس کس طرح سائنس دانوں کو یہ اعتراف کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ یہ کائنات ایک عظیم خالق کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتی تھی۔

ہم ابھی تک سائنسی عہد کے طلوعِ صبح کا منظر دیکھ رہے ہیں اور روشنی کے ہر نئی کرن واضح طور پر ایک بہت ہی علیم و حکیم خالق کی صنعت گری پر روشنی ڈالتی ہے۔ ڈارون کے بعد نوے سال کے اس عرصے میں ہم نے زبردست تحقیقات و انکشافات کئے ہیں۔ علم سے پیدا ہونے والے انکسار اور سائنس کی بنیاد پر قائم ایمان کے ساتھ ہم روز بروز وجودِ الٰہی کے یقین کے قریب تر ہوتے جارہے ہیں۔

اپنے ایمان کے لئے میں سات دلیلیں پیش کر سکتا ہوں:

پہلی دلیل: ریاضیات کے ناقابلِ تغیر اور مستحکم قواعد کے ذریعہ ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہماری یہ کائنات ایک "عظیم انجینئر ذہن" کی پلان کی ہوئی اور بنائی ہوئی ہے۔

فرض کریں آپ کے پاس دس سکے ہیں جن پر ایک سے دس تک نمبر لگے ہیں۔ انہیں آپ اپنی جیب میں رکھ لیں اور پھر انہیں اچھی طرح آپس میں ہلا جلا کر مخلوط کر دیں۔ اب آپ کوشش کریں کہ انہیں ترتیب وار ایک سے دس تک اپنی جیب سے نکالیں اور ہر سکہ نکالنے کے بعد اسے پھر

---

۵۰ MR. A. CRESSY MORRISON

۵۱ PROFESSOR C. A. COULSON, F.R.S.

Presented by: https://jafrilibrary.com

جیب میں ڈال دیں اور پھر ہلا جلا کر ملا دیں۔ ریاضی کے قانون امکان[۵۲] کی بنیاد پر ہم جانتے ہیں کہ پہلی مرتبہ ایک نمبر والا سکہ نکالنے کا امکان دس میں سے ایک ہے، پھر پہلے اور دوسرے نمبر والے سکوں کے ترتیب وار نکالنے کا امکان سو میں سے ایک ہے، اور پھر پہلے، دوسرے اور تیسرے نمبر والے سوکوں کے ترتیب وار نکلنے کا امکان ہزار میں سے ایک ہے۔ پھر اسی طرح ایک سے دس تک کے سکوں کے ترتیب وار نکالنے کا امکان ناقابل یقین عدد تک پہنچتا ہے یعنی دس ارب میں ایک۔

اسی ریاضی قانون امکان کی رو سے ہم جانتے ہیں کہ زمین پر زندگی کے لئے کتنے بے شمار بالکل پتے تلے حالات اور چیزوں کی ضرورت ہے، کہ ان سب کا ایک خاص تناسب میں اتفاقیہ طور پر پایا جانا ممکن ہی نہیں ہے۔

ہماری زمین اپنے محور کے گرد ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔ اگر یہ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومنے لگے تو ہمارے دن اور رات آج کے مقابلہ میں دس گنا زیادہ طویل ہو جائیں گے اور سورج دنیا کے تمام پیڑ پودوں کو اس نئے لمبے دن میں ہر روز جلا کر راکھ کر دے گا اور رات کے اس طول کی وجہ سے رات میں جو بچے کھچے نازک پودے سر اٹھائیں گے، منجمد ہو کر فنا ہو جائیں گے۔

پھر سورج جو ہمارے لئے زندگی و حرارت کا منبع ہے، اس کی سطح کا درجۂ حرارت بارہ ہزار (۱۲،۰۰۰) ڈگری فارن ہائٹ ہے اور ہماری زمین اس سے اتنے مناسب فاصلہ پر ہے، جس کی وجہ سے یہ "آتش جاودانی" ہمارے لئے صرف ضرورت کے مطابق ہی حرارت فراہم کرتی ہے - نہ کم نہ زیادہ۔ اگر سورج اپنی موجودہ حرارت کو نصف کر دے تو ہم منجمد ہو جائیں گے، اور اگر وہ اپنی موجودہ حرارت کو ڈیڑھ گنا (۱½) کر دے تو ہم بھن جائیں گے۔

زمین اپنے محور کے گرد ۲۳ ڈگری کے زاویہ پر جھکی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے موسموں کے تغیرات پیدا ہوتے ہیں اور سال میں ہم چار موسوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اگر زمین کا یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو بخارات سمندر سے اڑ کر شمال و جنوب کی جانب چلے جاتے اور ہمارے لئے برف کے برّا عظم

[۵۲] قانوں امکان یا حساب احتمالات مرجح (THE LAW OF PROBABILITY)

Presented by: https://jafrilibrary.com

تخلیق کر دیتے۔ اگر ہمارا چاند اپنے موجودہ فاصلے کے بجائے زمین سے صرف پچاس ہزار میل دور ہوتا تو سمندری جوار بھاٹا اتنا شدید ہوتا کہ دن میں دو بار دنیا کے تمام برّا عظم پانی میں ڈوب جاتے بلکہ بلند پہاڑ بھی جلد ہی پانی کے مسلسل ٹکراؤ سے ریزہ ریزہ ہو کر بہہ جاتے۔ اگر زمین کا بیرونی خول صرف دس فٹ اور زیادہ موٹا ہوتا تو یہاں آکسیجن نام کو نہ رہتی، جس کے بغیر حیوانی زندگی ناممکن ہوتی۔ اگر سمندر صرف چند فٹ اور زیادہ گہرے ہوتے تو تمام کاربن ڈائی آکسائیڈ اور آکسیجن کو جذب کر لیتے اور کوئی نباتی زندگی ممکن نہ ہوتی۔ یا اگر ہماری زمین کے گرد گیسوں کی یہ فضا صرف ذار سی باریک ہوتی تو شہاب ہائے ثاقب جو روزانہ دسیوں لاکھ کی تعداد میں فضا میں تباہ ہو جاتے ہیں ان میں سے کچھ یقیناً زمین پر گرتے اور تمام دنیا کو آگ کا دریا بنا دیتے اور جلا کر بھسم کر دیتے۔

ان مثالوں اور ان ہی جیسی دوسری بے شمار مثالوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کروڑوں میں ایک امکان بھی اس کا نہیں کہ حیات اس کرہ ارض پر اتفاقیہ طور پر وجود میں آئی ہو۔

دوسری دلیل: اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے زندگی کا باوسائل ہونا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ حیات کا قیام کسی ہمہ گیر ذہانت کا مرہون منت ہے۔ یا یوں کہوں کہ حیات و زندگی ایک لامحدود ذہن کا مظہر ہے۔

زندگی اصل میں کیا ہے؟ کوئی انسان اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکا ہے۔ زندگی میں نہ وزن ہے نہ اس ابعاد (طول، عرض و عمق) ہیں، لیکن پھر بھی اس میں طاقت ہے۔ پودے کی بڑھتی ہوئی ایک جڑچٹانوں کو شگافتہ کر دیتی ہے۔ حیات نے پانی، زمین اور ہوَاسب کو مسخر کر لیا ہے۔ یہ عناصر پر حکمرانی کرتی ہے اور انہیں گھلا کر ایک دوسرے کے امتزاج کے ساتھ از سر نو ترتیب دیتی ہے۔

زندگی ایک مجسمہ ساز کی طرح دنیا کی ہر زندہ شے کی صورت بناتی ہے، ایک فنکار کی طرح درخت کے ہر پتے کا نقش بناتی ہے اور ہر پھول میں رنگ بھرتی ہے۔ زندگی ایک موسیقار ہے جس کا محبت بھر انغمہ ہر پرندہ چہچہاتا ہے اور کیڑے مکوڑے تک ایک دوسرے کو اپنی بے شمار اقسام کی آوازوں کی موسیقی سے بلاتے ہیں۔ زندگی ایک زبردست کیمیا گر ہے جو پھلوں کو ذائقہ اور پھولوں

Presented By: https://jafrilibrary.com

کو خوشبو دیتی ہے، جو پانی اور کاربونک تیزاب کو شکر اور لکڑی میں تبدیل کر دیتی ہے اور اس تبدیلی کے دوران آکسیجن کو قید سے رہا کر کے، ہوا میں ملا دیتی ہے تاکہ جاندار زندگی کے لئے سانس لے سکیں۔

ایک تقریباً غیر مرئی مادّہ اولی (مادّہ حیات = PROTOPLASM) کے قطرہ کو دیکھیں جو شفاف ہے اور جیلی کی طرح لعاب دار ہے - وہ قابل حرکت ہے اور سورج سے توانائی لیتا ہے - یہ ایک خلیہ، یہ شفاف کہرے جیسا ننھا سا قطرہ اپنے اندر جرثومہ حیات لئے ہوئے ہے - اور یہ قوت رکھتا ہے کہ اس زندگی کو تمام چھوٹے اور بڑے جانداروں تک پہنچا دے۔ اس ننھے سے قطرہ کی طاقت تمام نباتات، حیوانات اور انسانوں کی طاقت سے بڑھ کر ہے کیونکہ تمام زندگی و حیات اسی سے آئی ہے۔ فطرت (نیچر) نے زندگی کو خلق نہیں کیا۔ جھلسی ہوئی چٹانیں اور بغیر نمک کا سمندر زندگی کی ضروریات پوری نہیں کر سکتے تھے۔

تو آخر اس حیات کو کس نے خلق کیا ہے؟

تیسری دلیل: حیوانات میں شعور کا وجود ہمیں بے اختیار ایک عظیم خالق کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے جس نے ان بے بس و ناچار جانوروں میں یہ جبلّت ودیعت کی ہے۔

ایک کم عمر (نارنجی و گلابی) سالمن (SALMON) مچھلی سمندروں میں کئی سال گزارتی ہے پھر واپس اپنے دریا کی طرف سفر کرتی ہے اور دریا کے ٹھیک اسی جانب سفر کرتی ہے جدھر وہ معاون دریا آ کر گرتا ہے جس میں وہ پیدا ہوئی تھی۔ وہ کون سی طاقت ہے جو اتنے صحیح طریقہ سے اسے بالکل ٹھیک اپنے جائے تولد کی طرف پلٹاتی ہے؟

اگر آپ اس کو کسی دوسرے معاون دریا میں ڈال دیں جو اس کا مولد نہ ہو تو اس ننھی سی مخلوق کو فوراً احساس ہو جاتا ہے کہ وہ غلط راستہ پر ہے اور وہ لگاتار جدوجہد کرتے ہوئے بڑے دریا تک واپس آتی ہے اور پھر پلٹ کر دھارے کے خلاف تیرتے ہوئے صحیح طریقہ سے اپنی منزل تک پہنچتی ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس سے زیاد پراسرار بام مچھلی (گوچھی = EEL) ہے جس کے اسرار کو سلجھانے سے انسانی ذہن قاصر ہے۔ یہ عجیب و غریب اور حیران کُن مخلوقات بالغ ہو کر ہر جگہ کے تالابوں اور دریاؤں سے ہجرت کر کے (اور یورپ میں رہنے والی بام مچھلیاں تو ہزاروں میل کا سمندری سفر طے کرنے کے بعد) برمودا کے پاس اتھاہ گہرے سمندر میں پہنچتی ہیں اور وہاں انڈے دیتی ہیں اور فوراً مرجاتی ہیں۔ ان انڈوں سے ننھی ننھی مچھلیاں پیدا ہوتی ہیں، جنہیں اپنے بارے میں کچھ نہیں معلوم سوائے اس کے کہ وہ ایک گہرے اور وسیع سمندر میں ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ واپسی کا راستہ تلاش کر لیتی ہیں اور صرف یہی نہیں کہ واپس اپنے ملک کے سمندر تک پہنچ جاتی ہیں، جہاں سے ان کے والدین نے ہجرت کی تھی اور اس طرح پانی کا ہر ٹکڑا اس مخلوق سے مملو رہتا ہے۔ کبھی بھی کوئی امریکن بام مچھلی یورپ میں نہیں پکڑی گئی اور نہ ہی یورپ کی کوئی بام مچھلی کبھی امریکہ میں پکڑی گئی ہے۔ فطرت نے یورپین بام کے بلوغ اور شباب میں ایک سال کی تاخیر ڈال دی ہے تاکہ وہ (یورپ اور برمودا کے درمیان کا) طویل فاصلہ طے کر سکے۔

اس جذبہ اور شعور کا منبع کیا ہے، جس کے ذریعہ یہ مچھلی اپنا راستہ اتنے دقیق طریقہ سے تلاش کر لیتی ہے؟

بھڑ، ٹِڈّے کو قابو میں کرنے کے بعد زمین میں ایک ننھاسا سوراخ کرتی ہے اور پھر اس ٹِڈّے کو ایک مناسب جگہ اس طرح ڈنک مارتی ہے کہ وہ مر نہ جائے بلکہ صرف بےہوش ہو جائے اور ایک محفوظ گوشت کی طرح زندہ رہے۔ پھر وہ وہیں پر انڈے دیتی ہے، تاکہ ان انڈوں سے جب بچے نکلیں تو وہ اس ٹِڈّے کو مارے بغیر کتر کتر کر کھاتے رہیں، اس لئے کہ مردہ گوشت ان کے لئے خطرناک ہو جائے گا۔ بھڑ انڈے دینے کے بعد پھر اڑ جاتی ہے اور مرجاتی ہے، وہ اپنے بچوں کو کبھی نہیں دیکھ پاتی۔

یقیناً بھڑ نے یہ سب کام پہلی ہی بار صحیح طریقہ سے انجام دیا ہو گا اور پھر ہر نسل ایسا ہی کرتی رہی ہو گی ورنہ اگر تجربہ کرنے کی بات ہوتی اور غلطیوں سے سیکھنے کا سوال ہوتا تو آج دنیا میں کوئی

Presented By: https://jafrilibrary.com

بھڑ دکھائی ہی نہ دیتی۔ یہ پراسرار تکنیک قطعاً ماحول کی اثر پذیری[۵۳] کا کرشمہ نہیں۔ یہ جبلّت ان کو پہلے دن سے ودیعت کی گئی ہے۔

چوتھی دلیل: انسان میں حیوانی فطرت کے علاوہ کچھ اور بھی پایا جاتا ہے۔ اس میں فکر و ادراک کا مادّہ ہے۔

کسی دوسرے حیوان نے کوئی ایسا ریکارڈ نہیں چھوڑا کہ اس میں دس تک کے عدد گننے یا دس کے معنی جاننے کی صلاحیت ہے۔ اگر حیوانی جِبلّت (جس کے ذریعہ وہ اپنی زندگی گزارتا ہے) بانسری کے ایک سُر کی حیثیت رکھتی ہے، جو کہ خوبصورت تو بہت ہے لیکن محدود ہے، تو اس کے مقابل میں انسانی ذہن ایک ایسی مشین ہے جس میں آرکسٹرا کے تمام آلات کے سارے سُر موجود ہوں۔ اس نکتہ کے زیاد تشریح کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم خود اپنی اس قوتِ فکر کے ذریعہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اس وقت جو کچھ بھی ہیں وہ صرف اس وجہ سے ممکن ہو سکا ہے کہ ہمارے پاس اس "کائناتی عقل" (یا عقلِ کُل) کا ایک شرارہ ہے۔

پانچویں دلیل: تمام جانداروں کے لئے زندگی بسر کرنے کا سامان ان مظاہر فطرت میں موجود ہے جنہیں ہم اس دور میں تو جانتے ہیں لیکن ڈارون نہیں جانتا تھا جس کی ایک مثال جین (GENE) (یعنی خلیہ میں موروثی عناصر) ہے۔

یہ جین اتنے مختصر ہوتے ہیں کہ اگر تمام زندہ انسانوں کے GENES کو اکٹھا کر دیا جائے، تو مجتمع ہوکر وہ صرف ایک انگشتانہ جتنی جگہ میں سماجائیں گے، اس کے باوجود یہ اتنے چھوٹے خوردبینی جین اور ان کے ہم جولی کروموسومز (CHROMOSOMES) ہر حیاتی خلیہ میں موجود ہیں اور یہ GENES تمام انسانی، حیوانی اور نباتاتی خصوصیات کی بنیاد ہیں۔

---

۵۳ ماحول کی اثر پذیری، ماحول سے مطابقت پذیری (ADAPTION)

Presented by: https://jafrilibrary.com

ایک انگشتانہ بہت ہی مختصر سی جگہ ہے جس میں دو ارب[۵۴] انسانوں کی تمام انفرادی خصوصیات کو اکٹھا کر دیا جائے۔ لیکن پھر بھی یہ حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ پھر آخر یہ سب کچھ کس طرح ہوتا ہے کہ یہ GENES اپنے اندر ایک انسان کے اربوں آباؤ اجداد کی موروثی خصوصیات اور ہر ایک کے نفسیات کو اتنی چھوٹی جگہ میں محفوظ رکھتے ہیں؟ ارتقاء کا آغاز یقیناً یہیں سے ہوتا ہے - اس خلیہ سے، اس اکائی سے جو جین کو محفوظ رکھتا ہے اور آگے بڑھاتا ہے۔

کس طرح سے یہ دسیوں لاکھ جوہر اور ایٹم (جو کہ ایک خوردبین جین کے اندر بند ہیں) دنیا کے تمام چیزوں پر حکمرانی کرتے ہیں - یہ ایک عظیم اور لطیف ذہانت کا کرشمہ ہے، جس کا منبع صرف صاحب حکمت خالق ہی ہو سکتا ہے اور کوئی دوسرا مفروضہ اس معمہ کو حل نہیں کر سکتا۔

چھٹی دلیل: فطرت کی کفایت شعاری سے بھی ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ صرف ایک لامحدود عقل و ذہن نے ہی پہلے سے سمجھ بوجھ کر یہ نظام مرتب کیا ہے اور یہ ماہرانہ ہم آہنگی پیدا کی ہے۔

کافی عرصہ ہوا کہ کیکٹس پیودے کی ایک خاص قسم آسٹریلیا میں لگائی گئی تھی، تاکہ وہ ایک حفاظتی باڑ (FENCE) کا کام دے سکے۔ آسٹریلیا میں اس کا کوئی دشمن کیڑا موجود نہ تھا۔ کچھ ہی عرصہ میں یہ پودے ہیبت ناک طور پر بڑھنے لگے یہاں تک کہ ان پودوں نے ایک بہت وسیع زمین پر قبضہ جمالیا جو کہ رقبہ میں تقریباً انگلستان کے برابر تھا۔ وہاں پر تمام زرعی اراضی برباد ہو گئی، تمام پھل، سبزیاں اور پودے ختم ہو گئے، فصلیں برباد ہو گئیں، قصبے اور گاؤں ویران ہو گئے، لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ماہرینِ حشرات الارض اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تمام دنیا میں گھومے۔ آخر کار انہوں نے اس کا حل تلاش کرلیا اور وہ حل تھا ایک ننھا سا کیڑا جو صرف اور صرف کیکٹس کھا کر زندہ رہتا ہے۔ یہ کیڑا تیزی سے تولید نسل بھی کرتا ہے اور آسٹریلیا میں اس کا کوئی دشمن موجود نہ تھا۔ اس ننھے منے کیڑے نے جلد ہی کیکٹس کی

۵۴ اس وقت انسانی آبادی بڑھ کر پانچ ارب سے متجاوز ہو گئی ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس ہیبت ناک افزائش پر فتح حاصل کر لی۔ اب آسٹریلیا میں کیکٹس کے پودے اپنے حدود سے آگے نہیں بڑھ پاتے اور کیکٹس کی کمی کے ساتھ ساتھ وہ کیڑے بھی کم ہو گئے کیوں کہ ان کی خوراک کم ہو گئی۔ اب صرف اتنے ہی کیڑے زندہ ہیں جو کیکٹس کو کنٹرول سے باہر نہ جانے دیں۔

یہ حد بندیاں اور توازن قائم رکھنے کا انتظام قدرتی طور پر پوری کائنات میں موجود ہے۔ بہت تیزی سے افزائش پانے والے لاکھوں کیڑے زمین کو اپنے قبضہ میں کیوں نہیں کر لیتے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ انسانوں کی طرح پھیپھڑے نہیں رکھتے۔ وہ نلکیوں کے ذریعہ سانس لیتے ہیں، لیکن جب یہ کیڑے بڑھتے ہیں تو ان کی نلکیاں اس تناسب سے نہیں بڑھتیں (اور سانس کی دشواری آخر کار انہیں ہلاک کر دیتی ہے) جبھی تو یہ کیڑے بہت بڑی جسامت کے نہیں ہوتے۔ جسم کے بڑھنے پر یہ رکاوٹ ان کی تعداد اور جسامت حجم کو مناسب حد میں رکھتی ہے۔

اگر یہ حدبندیاں نہ ہوتیں اور توازن قائم رکھنے کا یہ انتظام نہ ہوتا تو انسان اس دنیا میں نہیں رہ سکتا تھا۔ ذرا تصور کیجئے کہ اگر شیر کے سائز کے برابر بھڑ ہمارے سامنے آجائے تو ہمارا کیا حشر ہو!!

ساتویں دلیل: یہ حقیقت کہ انسان خدا کا تصور کر سکتا ہے خود خدا کے وجود کا ایک بے نظیر ثبوت ہے۔

خدا کا تصور انسان کو بخشی ہوئی ایک خدائی صلاحیت سے انسانی ذہن میں ابھرتا ہے۔ اس صلاحیت کو ہم قوتِ متخیلّہ کہتے ہیں۔ اور اس قوت میں دنیا کی کوئی چیز انسان کی شریک نہیں ہے۔ اسی قوت کے ذریعہ انسان اور صرف انسان آنکھوں سے پوشیدہ چیزوں کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ وہ افق جو اس قوت کے ذریعہ ہمارے پردۂ ذہن پر ابھرتا ہے، اس کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ انسان جتنا کمال اور ارتقاء کے منازل کو طے کرتا چلا جاتا ہے، یہ تخیل ایک روحانی حقیقت بنتا چلا جاتا ہے۔ وہ نظامِ کائنات کے تمام دلائل میں اس حقیقتِ عظمٰی کو پالے گا، کہ عالَمِ بالا ایک امر واقعی ہے چاہے جہاں بھی ہو اور جو کچھ بھی ہو اور یہ کہ خدا ہر جگہ ہے اور ہر چیز میں ہے لیکن وہ جتنا ہمارے دل

Presented by: https://jafrilibrary.com

کے قریب ہے اتنا کسی چیز کے قریب نہیں۔

یہ امر سائنس کے لحاظ سے اور تخیل کے اعتبار سے ایک مسلّمہ حقیقت ہے جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے یوں بیان کیا ہے: ”آسمان خدا کی تقدیس کا گن گاتے ہیں اور فلک اس کی صنعت گری کو نمایاں کرتا ہے۔“

Presented By: https//jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حصّہ دوم

خدا کی وحدانیت

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۸۔ واحِد کے معنی

اب ہماری بحث، اللہ ایک ہے، پر مرکوز ہو گی۔ لہٰذا پہلے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس جملہ میں "ایک یا واحد" کے کیا معنی ہیں۔ ہماری روز مرہ گفتگو میں لفظ "ایک" حسب ذیل معنی میں سے کسی ایک کے لئے استعمال کیا جاتا ہے:

۱۔ "انسان" اور "گھوڑا" ایک ہیں۔ چونکہ دونوں اپنے بچے کو دودھ پلاتے ہیں، (MAMMALS) ہیں۔ اس جملہ میں "ایک" یہ بتاتا ہے کہ انسان اور حیوان کی جنس ایک ہے۔ (اس وحدت کو الوحدة الجِنسیه کہتے ہیں۔)

۲۔ "بکر" اور "خالد" ایک ہیں۔"ایک" اس فقرہ میں یہ بتاتا ہے کہ یہ دونوں ایک نوع کے ہیں، یعنی انسان ہیں۔ (اس وحدت کو الوحدة النوعية کہا جاتا ہیں۔)

۳۔ دو بڑھئی کام کر رہے ہیں۔ آپ ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دونوں "ایک" ہیں۔یہاں پر "ایک" یہ بتاتا ہے کہ ان دونوں کا "پیشہ ایک ہے" یا یہ کہ ان دونوں کے لئے ایک ہی "صفت" استعمال کی جا سکتی ہے۔ (اس وحدت کو الوحدة الصِنفيه کہا جاتا ہیں۔)

۴۔ چرچل خطیب، مصنف، سپاہی اور سیاستداں تھا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی خطابت و سیاست اور اس کا مصنف و سپاہی ہونا "ایک" ہے۔ یہ تمام "صفات" ایک ہی فرد میں جمع ہیں۔ (اس وحدت کو الوحدة الموضوعية کہتے ہیں۔)

۵۔ ایک کیلو دودھ اور ایک کیلو پانی "ایک" ہے چونکہ دونوں کی "مقدار" ایک ہے۔ (اس وحدت کو الوحدة الکَمّية کہتے ہیں۔)

۶۔ گرم دودھ اور گرم پانی "ایک" ہے چونکہ دونوں کی "کیفیت" یکساں ہے۔ (اس وحدت کو الوحدة الکَیفية کہا جاتا ہیں۔)

۷۔ احمد اور جعفر کھڑے ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں "ایک" ہیں چونکہ دونوں ایک ہی "حالت" میں ہیں۔ (اس وحدت کو الوحدة الوَضعية کہتے ہیں۔)

Presented by: https://jafrilibrary.com

۸۔ خالد کے دو فرزند ہیں: بکر اور عمر۔ بکر اور عمر "ایک" ہیں چونکہ دونوں کی "نسبت" خالد سے برابر ہے۔ (اس وحدت کو الوحدة فی الاضافة کہتے ہیں۔)

۹۔ انسان کا جسم "ایک" ہے یا کرسی "ایک" ہے۔ کیونکہ دونوں میں مختلف اجزاء یا اعضاء کو جوڑ کر ایک چیز بنائی گئی ہے (لیکن اگر ان کے اعضاء و اجزاء الگ الگ ہو جائیں تو وہ ایک نہیں بلکہ ہزاروں ہو جائیں گے)۔ (اس وحدت کو الوحدة الحملية کہتے ہیں۔)

۱۰۔ گنتی کی ابتدا "ایک" سے ہے۔ جیسے کہ نظریاتی خط کی ابتداء کو نقط کہا جاتا ہے۔ اس "ایک" کے بعد بے شمار اعداد ہیں۔ (اس وحدت کو الوحدة العدَدية کہا جاتا ہیں۔)

۱۱۔ ایک بے نظیر اور منفرد شخص یا چیز کو "ایک" کہا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آفتاب ہمارے منظومۂ شمسی میں "ایک" ہے چونکہ ہمارے منظومۂ شمسی میں اس جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ (اس وحدت کو الوحدة الاعتباريه کہا جاتا ہیں۔)

لیکن وحدانیت کے ان تمام معنوں کے ساتھ "دوئی" اور "کثرت" کا بھی تصور موجود ہے چونکہ اول سے نہم تک کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ دو یا دو سے زیادہ اشیاء پر "ایک" کا اطلاق کسی نہ کسی لحاظ سے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان معنوں میں "دو" یا "زیادہ" کا تصور ہمیشہ موجود ہے۔

اس "ایک" میں جو گنتی کی ابتداء ہے، زیادہ کا تصور پہلے ہی سے مفروض ہے۔

منفرد اور بے نظیر شے کو "ایک" کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ استعمال صرف مجازی ہے جس کا حقیقت سے کوئی ربط نہیں چونکہ یہ بے نظیر شئے مادّہ سے بنی ہے جس کے ہزاروں اجزاء ہیں - وہ ایک نہیں ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ "خدا ایک ہے" تو ہم ان معنی میں سے کسی ایک کو بھی پیش نظر نہیں رکھتے۔ وحدانیتِ الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ: اس کے اجزاء نہیں، وہ جسم نہیں، وہ تصور میں بھی قابل تقسیم نہیں۔ اللہ کے لئے دوسرے کا فرض کرنا بھی محال ہے۔ اس قسم کی وحدانیت کو الوحدة الحقّة الحقيقية کہا جاتا ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

۱۹۔ خدا ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا

"خدا ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا" اتنا زبردست دعویٰ؟

اس عقیدہ کے لئے بہت سی دلیلیں ہیں۔ ان دلائل کے علاوہ جو پہلے بیان کی جاچکی ہیں، یہاں دو اور دلیلیں پیش کی جارہی ہیں۔

پہلی دلیل: گزشتہ مباحث میں یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ خدا ازلی ہے اور یہ بھی ثابت کیا گیا تھا کہ ذات ازلی کبھی بھی مرکب یا مخلوط نہیں ہو سکتی۔

اب آپ فرض کریں کہ دو بالکل یکساں قلم ہیں۔ جو ڈیزائن، سائز، رنگ اور دوسرے تمام صفات کے لحاظ سے ایک ہیں۔ اس مکمل مشابہت کے باوجود یہ دو ہیں، دونوں کی علیحدہ شناخت ہے۔ اس طرح ہر قلم میں دو قسم کے صفات پائے جاتے ہیں: (۱) وہ مشترکہ صفات، جن کی وجہ سے ایک قلم دوسرے قلم سے مشابہ ہے! (۲) وہ امتیازی صفات، جو دونوں کو علیحدہ وجود اور شناخت بخشتی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر "ہر قلم دو مختلف طرح کے صفات سے مرکب ہے۔"

یہی ہوتا ہے جہاں دو مشابہ چیزیں ایک ساتھ موجود ہوں اور یقیناً دو ازلی ہوں گے تو ان کے ساتھ بھی یہی ہوگا یعنی اگر دو ازلی ذاتیں ہوں تو وہ دونوں مرکب ہوں گی۔ دونوں میں ایک مشترکہ صفت ہو گی یعنی ازلیت۔ اور ایک امتیازی صفت ہو گی جو دونوں میں سے ہر ایک کو ایک جداگانہ تشخص دے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ازلی مرکب ہوگا جب کہ یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ ازلی کا مرکب ہونا غیر ممکن ہے۔

پس چانکہ خدا ازلی ہے لہٰذا وہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

دوسری دلیل: اگر فرض کرلیا جائے کہ دو خدا ہیں، تو کیا ان میں سے ایک دوسرے کے ارادے اور رائے کو رد کر سکتا ہے؟ اگر ہاں، تو دوسرا خدا پہلے والے سے کمزور ہے لہٰذا وہ قادرِ مُطلق نہیں یعنی خدا ہی نہیں۔ اگر جواب 'نفی' میں ہے، تو پہلا خدا دوسرے سے کمزور ہے لہٰذا وہ قادرِ مطلق نہیں ہے، یعنی خدا ہی نہیں ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور اگر دونوں ایک ہی طرح سوچتے اور عمل کرتے ہیں تو پھر دو خداؤں کو فرض کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کائنات کو چلانے کے لئے ایک ہی خدا کافی ہے۔

۲۰۔ شِرک کے معنی

"شِرک" لغت میں "شرکت" کے معنی میں آتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں یہ لفظ "عقیدۂ شِرک" اور "عقیدۂ وحدۃُ الوجود" کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

عقیدۂ شِرک یعنی ایک سے زیادہ خداؤں پر ایمان رکھنا۔ عقیدۂ وحدۃُ الوجود یعنی یہ ماننا کہ دنیا کی ہر چیز خدا کا حصہ اور جزو ہے۔

شِرک مختلف صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ کچھ تفصیلات یہاں پر استاد معظم مولانا محمد مصطفٰے صاحب جوہر اَعْلَی اللہ مُقَامَہٗ کی کتاب "توحید اور عدل" سے پیش کی جارہی ہیں:

"خدا کی وحدت میں بھی نِزاع ہے، مثلاً

۱۔ "کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مبداء عالم قدیم ہے لیکن اپنے قدم میں اکیلا نہیں ہے، اس کا کوئی شریک ہے۔ چانچہ نصاریٰ، روح القدس اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو الوہیت میں خدا کا شریک مانتے ہیں اور یہ واضح ہے کہ جب تک ان دونوں کو قدیم نہ مانا جائے، الوہیت میں ان کی شرکت کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔

"اسی طرح تناسُخ (روحوں کے آواگون) کے ماننے والے روح اور مادّہ کو خدا کے مثل قدیم مانتے ہیں، اگر (وہ روح اور مادہ کو) قدیم نہ مانیں تو ان کے عقیدۂ تناسُخ کی بنیاد اکھڑ جائے گی۔

۲۔ "اسی کے نتیجہ میں یہ بات بھی پیدا ہوتی ہے کہ مبداء عالم کے صفات میں بھی اس کے شرکاء ہیں جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ کا اعتقاد ہے کیوں کہ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام خدائی کے اوصاف میں شریک نہ ہوں تو ان کی الوہیت غائب ہو جائے گی۔

۳۔ "یہ بھی بانا گیا ہے کہ مبداء عالم کے افعال میں بھی اس کے شریک ہیں یعنی وہ خالق اور مُؤَثِّرِ فِی

Presented by: https://jafrilibrary.com

العالَم ہیں جیسے یونان کے فلسفیوں کی دس عقلیں۔۔۔

۴۔ "بعض قائل ہیں کہ ذات و صفات و افعال میں تو مبداء عالم کا کوئی شریک نہیں لیکن عبادت میں اس کے شریک ہیں، اور یہ لوگ (قرآن کی) اصطلاح میں "مشرکین" کہے جاتے ہیں۔

خواہ (یہ مشرکین) عرب کے ہوں یا ساری دنیا کے، ان عقیدوں سے نہ یونان کی الٰہیات محفوظ رہی نہ مشرق کی۔۔۔

۵۔ "آخر میں بعض قائل ہیں کہ ذات، صفات، افعال اور معبودیت میں مبداء عالم کا کوئی شریک نہیں ہے لیکن چونکہ اس نے ہمیں عقل دی ہے لہٰذا امر و حکم کی منزل میں (یعنی اپنے اعمال کے سلسلہ میں) اس کی طرح ہم بھی ہیں۔ یہ گروہ "قدریہ" کہلاتا ہے۔ قدریہ کا کہنا ہے کہ خدا انسان کے اعمال پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اس عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کا محتاج نہیں بلکہ وہ اپنے اعمال و افعال کے سلسلہ میں خدا کی الوہیت میں شریک ہے۔"[1]

ان بیانات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شرک کے پانچ اقسام ہیں:

۱۔ الشرک فی الذات، خدا کی ذات اور ازلیت میں شریک ماننا۔

۲۔ الشرک فی الصفات، خدا کے صفات میں شریک ماننا۔

۳۔ الشرک فی الافعال، خدا کے افعال میں شریک ماننا۔

۴۔ الشرک فی العبادہ، خدا کی عبادت میں کسی دوسرے کو اس کا شریک ماننا۔

۵۔ الشرک فی الحکم، خدا کی حاکمیت اور اختیار میں شریک ماننا۔

ان تمام نظریات کو قرآن کریم نے سختی سے اور واضح طور پر رد کردیا ہے۔

۲۱۔ توحید پر رسولِ اکرم ﷺ کی گفتگو

ساتویں اور نویں باب میں رسولِ اکرم ﷺ اور مُلحِدِین کی بحث کو بیان کیا جاچکا ہے۔ یہ اس

[1] محمد مصطفٰے جوہر، توحید اور عدل نہج البلاغہ کی نظر میں، کراچی، ص۶ – ص۸۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

عظیم مناظرہ کا ایک حصہ ہے جس میں پانچ ادیان کے نمائندے (یہودی، نصرانی، پارسی، دہریے اور مشرکین) رسولِ اسلام ﷺ کی خدمت میں مناظرہ کی غرض سے آئے تھے۔ اس بحث کے خاتمہ پر ان لوگوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیا اور مسلمان ہوگئے۔

ان مباحث کی خوبصورتی اور امتیاز یہ ہے کے بنی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بہت ہی گہرے فلسفیانہ مسائل کو اتنی سادہ زبان میں بیان کیا ہے کہ ایک عام آدمی بھی ان کو بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ یہ مناظرہ حکمت اور موعظۂ حسنہ کا شاہکار نمونہ ہے۔

ضمناً یہ بیان کرتا چلوں کہ کچھ لوگ وقتاً فوقتاً یہ دعوے کرتے رہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے یہود اور نصاریٰ کی کتابوں سے علم حاصل کیا تھا۔ یہ مباحث ان لوگوں کے لئے ایک چیلنج ہیں - یہ حضرات اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے ایسے مستحکم استدلال کو یہود اور نصاریٰ کی ان کتابوں سے پیش کریں جو اسلام سے قبل موجود رہی ہوں۔

یہ ذکر کرنا بیجانہ ہو گا کہ یہ بظاہر بہت ہی سادہ دلیلیں آج بھی اتنی ہی مستحکم اور اطمینان بخش ہیں جتنی وہ چودہ سو سال قبل تھیں۔ اس مناظرہ کو امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور علامہ طبرسی نے بھی اپنی مشہور کتاب "الاحتجاج" کی پہلی جلد میں اس بحث کو نقل کیا ہے۔[۲]

رسولِ اسلام ﷺ نے اس گفتگو کا آغاز یہودیوں سے کیا تھا اور اس کے بعد نصاریٰ، مُلحِدِیْن، پارسی اور بِالآخر بُت پرستوں سے گفتگو کی۔ مُلحِدِیْن کے ساتھ ہونے والی بحث کو اس کتاب کے مباحث کی ترتیب کا خیال کرتے ہوئے پہلے حصہ میں ذکر کیا جاچکا ہے۔ بقیہ چار حصے مندرجہ ذیل ہیں۔

۲۲۔ اسلام اور یہویت

حجاز کے یہودی رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ میں اپنے اصلی اعتقادات کھو چکے تھے۔ بُت پرستوں اور عیسائیوں کے ساتھ رہنے کے وجہ سے انہوں نے بھی خدا کے صاحب فرزند ہونے کے عقیدہ کو

۲۔ مولانا محمد مصطفیٰ صاحب جوہر مرحوم نے اس مناظرہ کو اردو میں مختصر توضیحات کے ساتھ دوبار شائع کیا۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

اپنا لیا تھا۔ چانکہ جناب عزیر علیہ السلام نے تورات کے صدیوں تک گم رہنے کے بعد اسے دوبارہ لکھا تھا لہٰذا یہودیوں نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتے ہوئے یہ دعویٰ شروع کے دیا کہ عزیر علیہ السلام ابن اللہ ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے عقیدہ کی دلیل دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ "عزیر علیہ السلام نے بنی اسرئیل کے لئے تورات کو اس کے گم ہو جانے کے بعد دوبارہ لکھا ہے اور یہ امر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : "یہ کیوں کر ہوا کہ عزیر علیہ السلام خدا کے فرزند تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام (خدا کے فرزند) نہ تھے حالانکہ موسیٰ علیہ السلام تورات کو پہلے مرتبہ خدا کی طرف سے لائے تھے اور اس کتاب کا پہلی مرتبہ لانا اس کے دوبارہ لکھنے کے مقابلہ میں بہت ہی زیادہ اہم ہے۔

"اس کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام نے بہت سے معجزات دکھائے جنہیں عزیر علیہ السلام نے نہیں دکھایا۔ اگر عزیر علیہ السلام صرف اس وجہ سے خدا کے فرزند ہیں کہ خدا نے انہیں تورات کو دوبارہ لکھنے کی عزت بخشی تو موسیٰ علیہ السلام بدرجۂ اولیٰ خدا کے فرزند ہونے کے مستحق ہیں۔ (چونکہ خدا نے انہیں پہلی مرتبہ تورات لانے کی عزت بخشی تھی)۔

"میرا یہ بھی خیال ہے کہ ولدیت سے تم لوگوں کی مراد وہ رشتہ نہیں جو اس وقت قائم ہوتا ہے جب مرد اور عورت کی ہم بستری کے بعد نطفہ رحم میں جاتا ہے اور کچھ عرصہ بعد بچہ رحمِ مادر سے پیدا ہوتا ہے۔"

یہودیں نے اس بات کی تائید کی اور کہا کہ : "جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام خدا کے فرزند ہیں تو ہماری مراد وہ ولدیت نہیں جو پیدائش کے ذریعہ برقرار ہوتی ہے بلکہ (یہ ولدیت کا رشتہ) خدا کی نظر میں عزیر علیہ السلام کے احترام کی وجہ سے ہے۔ یہ ویسے ہی ہے جیسے بہت سے استاد اپنے ممتاز شاگرد کو "میرا فرزند" کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ: "میں اس استدلال کا جواب پہلے ہی دے چکا ہوں، جب میں نے یہ کہا تھا کہ اس معیار پر موسیٰ علیہ السلام خدا کے فرزند کہلانے کے زیادہ لائق و مستحق ہیں۔

"جہاں تک اس مثال کا تعلق ہے جس میں ایک بزرگ کسی جوان کو جو رشتہ دار نہیں "فرزند"

Presented By: https://jafrilibrary.com

کہہ کر پکارتا ہے تو آؤاب اس قسم کے استعمال کے بارے میں ذرا اور آگے بڑھیں۔

"تم نے ضرور دیکھا ہو گا کہ وہی بزاگ، جو اپنے سے چھوٹوں کو "میرا فرزند" کہہ کر پکارتے ہیں، کسی عظیم دانشور کی تعظیم و احترام کے لئے انہیں "میرے بھائی" یا "میرے بزرگ" یا "میرے آقا" یا "میرے باپ" کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔

"ان استعمالات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کیا تم یہ کہوگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (جو خدا کی نظر میں عزیر علیہ السلام سے زیادہ محترم تھے) "خدا کا بھائی" یا "خدا کا بزرگ" یا "خدا کا آقا" کہا جائے؟"

یہودی مناظر رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استدلال کا جواب نہ دے سکے اور کچھ غور و فکر کے بعد مسلمان ہوگئے۔[۳]

۲۳۔ توحید اور تثلیث

نصاریٰ نے اپنے عقیدہ کا اس طرح اظہار کیا کہ "خدا اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہیں اور یہ کی عیسیٰ علیہ السلام خدا کے فرزند ہیں۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: "اس قول کا کیا مطلب ہے کہ خداوند کریم اور اس کے فرزند عیسیٰ علیہ السلام ایک ہیں؟

"آیا تم لوگ یہ کہنا چاہتے ہو کہ خدائے ازلی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح حادث[۴] ہو گیا ہے؟ اگر تمہارا مقصد یہ ہے تو یہ ایک ناممکن امر ہے کہ ازلی و ابدی (جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء) حادث ہو جائے (جس کی ابتداء بھی ہے اور انتہاء بھی)۔

"یا تم لوگ یہ کہنا چاہتے ہو کہ حادث (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) خدا کی طرح ازلی ہوگئے؟ لیکن یہ بھی ناممکن ہے چونکہ وہ چیز جو نہ ہونے کے بعد خلق کی گئی ہو وہ ازلی کس طرح ہو سکتی ہے؟

۳۔ طبرسی، الاحتجاج، جلد اول، ص۲۳۔

۴۔ حادث – وہ ذات جو موجود نہ ہونے کے بعد وجود میں آئے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

"یا تم کہنا چاہتے ہو کہ خدا نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو وہ عزت بخشی ہے جو کسی اور کو عطا نہیں کی تھی؟ اگر یہ بات ہے تو تم لوگوں کو ماننا پڑے گا کہ عیسٰی علیہ السلام ازلی نہ تھے چونکہ وہ مخلوق تھے اور یہ کہ ان کا خدا کی طرف سے عزت پانا بھی ازلی نہیں کیونکہ انہیں خلقت کے بعد یہ عزت ملی اور اس صورت میں حضر عیسٰی علیہ السلام اور خدا ایک نہیں ہو سکتے چونکہ ازلی اور حادث جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔"

نصاریٰ : "جب خدا نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ذریعے بہت سے معجزات دکھائے تو اس نے انہیں فرزند ہونے کی عزت بخشی۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توجہ اس مطلب کی طرف مبذول کرائی جو آپ نے عزیر علیہ السلام کی ولدیت خدا کے سلسلہ میں یہودیوں سے کہا تھا اور اس بحث کو دہرایا۔ نصاریٰ اس استدلال کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

کچھ غور کرنے کے بعد ان میں سے ایک نے کہا کہ انجیل میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام نے کہا تھا : "میں اپنے باپ کی طرف جا رہا ہوں۔" (یہ دلیل اس بنیاد پر پیش کی گئی ہے کہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیسٰی علیہ السلام کو رسول سمجھتے تھے لہٰذا وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے کلام کو نہیں جھٹلا سکتے تھے۔)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ : "آسمانی کتاب کے الفاظ یوں ہیں 'میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جا رہا ہوں' اس کا مطلب یہ ہے کہ مجمع میں تمام افراد خدا کے فرزند تھے اسی معنی میں جس معنی میں عیسٰی علیہ السلام خدا کے فرزند تھے۔

"مزید بر آں یہ جملہ تمہارے اس دعویٰ کو رد کرتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام اس وجہ سے خدا کے فرزند تھے کہ انہیں خدا کی طرف سے امتیازی عزت ملی تھی۔ جبکہ اس مجمع کے ہر فرد کو خدا کا فرزند کہا گیا ہے حالانکہ کسی کو بھی وہ عزت حاصل نہیں تھی۔"

غور و فکر کے بعد وہ سب مسلمان ہوگئے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۲۴۔ توحید اور ثنویت

ثنویت کے معتقدین (جنہیں آج کل پارسی کہا جاتا ہے) کا ایمان یہ ہے کہ نور اور ظلمت اس کائنات کے خالق اور مُدبّر ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے اس عقیدہ کی دلیل پوچھی۔

انہوں نے کہا کہ "ہم اس دنیا میں دو قسم کی چیزیں پاتے ہیں۔ خیر اور شر اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ہم قائل ہیں کہ خیر کا خالق شر کا خالق نہیں ہو سکتا اور نہ شر کا خالق خیر کا خالق ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں ضدیں کبھی ایک ساتھ نہیں پائی جا سکتیں۔

"کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نہ برف حرارت پیدا کر سکتی ہے اور نہ آگ سردی پیدا کر سکتی ہے۔ اس وجہ سے ہم معتقد ہیں کہ خیر اور شر کے دو مختلف خالق ہیں اور وہ نور و ظلمت ہیں اور یہ دونوں ازلی ہیں۔"

رسولِ اکرم ﷺ : "مجھے بتاؤ کہ کیا تم لوگوں نے دنیا میں مختلف رنگ نہیں دیکھے۔ سیاہ، سفید، لال، پیلا، سبز اور آسمانی؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان رنگوں میں سے ایک بھی دوسرے کے ساتھ ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں نہیں پایا جا سکتا؟"

پارسی : "ہاں! ان میں سے کوئی بھی دو رنگ ایک جگہ اور ایک وقت میں نہیں پائے جا سکتے۔"

رسولِ اکرم ﷺ : "لہٰذا تم لوگوں کی طرزِ فکر کے لحاظ سے تمہیں ان میں سے ہر رنگ کے لئے ایک علیحدہ خالق ماننا چاہیئے؟"

پارسی اس استدلال کا جواب نہ دے پائے۔

پھر رسولِ اکرم ﷺ نے سوال کیا کہ : "کس طرح نور اور ظلمت نے آپس کے تضاد کے باوجود خلقت کائنات میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا؟ اور کس طرح ان کی مخلوقات (یعنی خیر اور شر) اس دنیا میں ایک ساتھ موجود ہیں؟ کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ ضرور ایک عظیم قدرت موجود ہے جس نے ان متضاد چیزوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے؟"

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پارسیوں کو ان مطالب پر سوچنے میں کچھ وقت لگا اور آخر کار انہوں نے اسلام قول کر لیا۔[۵]

۲۵۔ توحید اور بُت پرستی

اس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے بُت پرستوں سے پوچھا کہ وہ کیوں خدائے یگانہ کے بجائے بُتوں کی پرستش کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا: "ہم ان بُتوں کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

رسولِ اکرم ﷺ: "کیا یہ بُت سنتے بھی ہیں؟ کیا وہ خدا کے نیک اور فرماں بردار بندے ہیں؟ ان کے ذریعہ تم کس طرح خدا کے قریب ہو سکتے ہو؟"

بُت پرست: "نہیں، وہ نہیں سنتے۔"

رسولِ اکرم ﷺ: "حقیقت امر تو یہ ہے کہ تم لوگوں نے ان بُتوں کو اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے، لہٰذا اگر ان میں عبادت اور بندگی کرنے کی صلاحیت ہوتی تو ان پر فرض تھا کہ وہ تمہاری پرستش کریں (چونکہ تم ان کے خالق ہو) نہ کہ تم ان کی بندگی کرو۔

"اس کے علاوہ خدا نے کبھی بھی تمہیں ان بُتوں کی پرستش کی اجازت نہیں دی ہے (لہٰذا تم لوگ کس طرح ان کے ذریعہ تقرّبِ الٰہی حاصل کرنا چاہتے ہو؟)"

اس استدلال کو سننے کے بعد بُت پرست تین گروہوں میں بٹ گئے۔

ایک گروہ نے کہا: "یہ بُت ان اشخاص کے مجسّمے ہیں جن میں خدا نے حلول کیا تھا لہٰذا ہم ان اشخاص کے مجسّموں کی پرستش کے ذریعہ خدا کی عبادت کرتے ہیں کیوں کہ وہ خدا کے اوتار تھے۔"

رسولِ اکرم ﷺ نے کہا:

۱۔ "تمہارا یہ عقیدہ کہ خدا نے کسی شخص میں حلول کیا تھا بالکل غلط ہے کیوں کہ اس طرح تم نے خالق کو مخلوق جیسا بنا دیا ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ کسی بھی شئے میں

---

[۵] طبرسی، الاحتجاج، جلد اول، ص۲۴-۲۵۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

خدا کا حلول نہیں ہو سکتا، جب تک وہ چیز خدا کا اِحاطہ نہ کرے۔ (اور کس طرح کوئی شئے خدا کا اِحاطہ کر سکتی ہے؟)

۲۔ "خدا میں اور ان چیزوں میں پھر کیا فرق رہے گا جو ایک 'مادّی' بدن میں پائی جاتی ہیں۔ (جیسے رنگ، ذائقہ، بُو، سختی یا نرمی، سکی یا سنگینی) یہ تمام چیزیں کسی اور شئے میں پائی جاتی ہیں، ان کا مستقل وجود نہیں ہوتا۔ آیا خدا بھی اسی طرح ہے؟

۳۔ "اور آخر میں، جب تم لوگ خدا کے لئے ایک ایسی صفت کے قائل ہو (یعنی حلول ہونا) جو ممکنات کی صفت ہے تو پھر یہ کیوں نہیں کہتے کہ ممکنات کی ہر صفت خدا میں پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہ خدا اتغیرپذیر ہے، سڑتا ہے، مرتا ہے، چوبکہ خدا نے جس جسم میں حلول کیا وہ جسم بدلتا ہے، سڑتا ہے اور مرتا ہے، اور یہ محال ہے ظرف کی تبدیلی کے ساتھ مظروف نہ بدلے۔

"یہ سب چیزیں بتاتی ہیں کہ خدا کا کسی جسم میں حلول کرنا محال ہے اور جب حلول باطل ہے تو تمہارے اس عقیدہ کی کوئی بنیاد ہی باقی نہیں رہی کہ خدا نے اپنے کچھ بندوں میں حلول کیا اور یہ بُت ان اوتاروں کے مجسّمے ہیں۔"

دوسرے گروہ نے کہا: "یہ بُت گزشتہ نسل کے ان شخاص کی صورتیں ہیں جو خدا کے فرماں بردار بندے تھے۔ ہم ان بُتوں کو تراشتے ہیں اور ان کو پوجتے ہیں تاکہ ان کی پرستش کے ذریعہ خدا کی تعظیم کریں۔"

رسولِ اکرم ﷺ نے ان سے سوال کیا کہ: "مجھے بتاؤ کہ تم لوگوں نے اب خدا کے لئے کون سی عبادت رکھ چھوڑی ہے؟ چونکہ تم ان مجسّموں کے سامنے سجدہ کر کے ان کی پوجا کرتے ہو اور ان ہی سے دعائیں مانگتے ہو اور اپنے سر کو انہیں کے سامنے جھکاتے ہو۔

"کیا تم لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ خدا کے حقوق میں سے ایک اہم حق یہ ہے کہ خدا کو اس کے بندوں کے برابر قرار نہ دیا جائے؟ اگر تم ایک بادشاہ کا احترام اس طرح کرو جیسے کہ اس کے نوکر کا احترام کرتے ہو تو کیا یہ بادشاہ کی اہانت اور اس کی توہین نہیں؟"

Presented by: https://jafrilibrary.com

بُت پرست نے کہا: "ہا یہ تو صحیح ہے۔"

رسولِ اکرم ﷺ: "تو کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے کہ ان مجسّموں کی پوجا کر کے تم خدا کی توہین کر رہے ہو۔"

آخرے گروہ نے کہا کہ: "خدا نے آدم کو پیدا کیا اور ملائکہ کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا، لہٰذا ہم آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آدم کے سامنے سجدہ کریں۔ لیکن چونکہ آدم آج زندہ نہیں اس لئے ہم ان کا مجسمہ تراش کر اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں اور اس پرستش کے ذریعہ تقربِ الٰہی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

رسولِ اکرم ﷺ: "یہ صحیح ہے کہ خدا نے ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کریں لیکن کیا تم لوگوں کو آدم کے مجسمہ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم بھی دیا تھا؟ آدم اور ان کا مجسمہ ایک نہیں۔ کس طرح تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ آدم کے مجسمہ کے سامنے سجدہ کرنے سے خدا ناراض نہیں ہے؟

"اس مطلب کو یوں سمجھو کہ اگر کوئی شخص ایک روز تمہیں اپنے گھر داخل ہونے کی اجازت دیتا ہے تو کیا دوسرے روز بھی تمہیں اس گھر میں جانے کا حق ہے؟ یا یہ کہ تمہیں اسی دن اس شخص کے دوسرے گھروں میں بھی جانے کا حق ہے؟

"اگر ایک شخص اپنا ایک کپڑا یا گھوڑا تحفہ کے طور پر تمہیں دے دے تو کیا تمہیں یہ حق ہے کہ اس چیز کو لے لو؟"

بُت پرست: "ہاں! ہم اسے لے سکتے ہیں۔"

رسولِ اکرم ﷺ: "اگر تم اس تحفہ کو قبول نہ کرو تو کیا تمہیں یہ حق ہے کہ اس کے دوسرے کپڑے یا اس کے دوسرے گھوڑے کو اس کی اجازت بغیر لے لو؟"

بُت پرست: "نہیں! کیوں کہ اس نے پہلا کپڑا یا گھوڑا تحفہ میں دیا تھا نہ کہ دوسری چیزیں۔"

رسولِ اکرم ﷺ: "کس کو زیادہ حق ہے کہ اس کا مال اس کی اجازت کی بغیر استعمال نہ کیا جائے، خدا کو یا اس کی مخلوق کو؟"

Presented By: https://jafrilibrary.com

بُت پرست : ”خدا کو اپنے مال پر زیادہ حق حاصل ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اسے ہاتھ نہ لگایا جائے۔“

رسولِ اکرم ﷺ : ”تو پھر کیوں تم لوگ اس اصول کی خلاف ورزی کر رہے ہو؟ کب اور کہاں خدا نے تمہیں بُت پرستی کی اجازت دی ہے؟“

کچھ دیر غور کرنے کے بعد وہ مسلمان ہوگئے۔[۶]

Presented By: https://jafrilibrary.com

[۶] طبرسی، الاحتجاج، جلد اول، ص۲۶-۲۸۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

حصّہ سوم

توحید

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۲۶۔ اسلام میں توحید کا تصور

گزشتہ مباحث سے یہ اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے تاریخ ادیان میں پہلی مرتبہ توحید کو اس طرح واضح کیا کہ بعد میں کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہ رہ سکی۔

یہودی ایک خدا کے معتقد تھے لیکن ان کا خدا عالمی نہیں بلکہ قومی تھا اس کے باوجود وہ لغزش سے نہ بچ سکے اور عزیر علیہ السلام کو "فرزندِ خدا" کہنے لگے۔

یہ اسلامی تعلیمات کا براہ راست اثر تھا کہ یہودیوں نے ایک انسان کو خدا کا بیٹا کہنا چھوڑ دیا، نصاریٰ نے عقیدۂ تثلیث کی توجیہ کرنی شروع کر دی، ہنود یہ انکشاف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ وید بھی توحید کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ کہ بت پرستی باطل ہے۔

سورۂ توحید (یا اِخلاص) قرآن کا بہت ہی مختصر سورہ ہے۔ اس سورہ نے خدا کی وحدانیت کے خالص عقیدہ کو قائم کر کے ہر قسم کے شرک کو رد کر دیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: (اے رسول) تم کہہ دو کہ خدا ایک ہے ○ خدا برحق و بے نیاز ہے ○ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا ○ اور اس کا کوئی ہم سر نہیں ○

اسلام کا کلمۂ طیبہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" مسلمانوں کی پوری زندگی میں ان کی رہنمائی کرتا ہے، نہ صرف عقائد و اعمال میں بلکہ معاشرتی زندگی میں بھی۔ اس کلمہ کا پہلا ٹکڑا "لَا اِلٰہَ" (کوئی معبود نہیں) مسلمان کو یہ سبق دیتا ہے کہ کائنات کی کوئی چیز اس سے برتر نہیں۔ قرآن میں آیا ہے کہ:

ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا

ترجمہ: اللہ ہی وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔[1]

اس طرح مسلمان یہ جانتا ہے کہ اس دنیا کی کوئی شے قابل پرستش نہیں۔ نہ حجر و شجر، نہ

[1] سورۂ بقرہ آیت ۲۹۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

حیوان و انسان، نہ شمس و قمر اور نہ ستارہ، کوئی بھی قابل عبادت نہیں، چونکہ ہر شئے خلق شدہ ہے اور وہ انسان ہی کے لئے خلق کی گئی ہے۔ جب ایک مسلمان ہر قسم کی نیچر پرستی، بُت پرستی اور انسان پرستی کو رد کرچکا تو اب وہ توحید کی مثبت حقیقت کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہے۔ خداوند تعالٰی پر ایمان ہماری زندگی کو ایک مقصد اور ہمارے اعمال کو ایک ہدف بخشتا ہے۔ اگر انسان کو اس غلط تصور میں چھوڑ دیا جاتا، کہ "کوئی معبود نہیں" تو اس کی زندگی بے مقصد ہو جاتی، اور بے مقصد زندگی بہت خطرناک ہوتی ہے۔ اسی لئے اسلام کا کلمۂ طیبہ آگے بڑھ کر سکھاتا ہے: "اِلَّا اللہ" (سوائے اللہ کے)۔ اس پورے جملہ میں مثبت اور منفی دونوں پہلو ہیں اور دونوں بنی نوع انسان میں مساوات کو فردغ دینے میں بہت ہی مؤثّر ہیں۔ جب کوئی برتر نہیں تو کوئی حقیر اور پست بھی نہیں اس طرح توحیدِ الٰہی کا عقیدہ اخوت، مساوات اور انصاف کے تصور کو فردغ دیتا ہے جو اسلام کا ایک روشن عنصر ہے۔

۲۷۔ اللہ تعالٰی کے صفات

اب مختصراً خدا کے بارے میں اسلامی عقیدہ کی تشریح کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ گزشتہ ابواب میں خدا کے متعلق ہمارے عقیدہ کے ہر پہلو کی وضاحت کی جاچکی ہے۔

خداوند عالم کے صفات کے متعلق یہ بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بہت سے صفات ایسے ہیں، جو خدا کے لئے ضروری ہیں۔ وہ اس میں پائے جاتے ہیں جبکہ کچھ صفات اس کی عظمت اور شان سے پست تر ہیں۔ نتیجتاً ہمارے عقیدہ کے مطابق خدا کے صفات "مثبت" (ثبوتی) اور "منفی" (سلبی)، دو طرح کے ہیں۔

صفاتِ ثبوتیہ

ان مثبت صفات کو جو خدا میں پائے جاتے ہیں "صفاتِ ثبوتیہ" کہتے ہیں۔ اور ان میں سے صرف آٹھ صفتیں عام طور پر بیان کی جاتی ہیں:

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۔ **قیوم:** اللہ تعالیٰ ازلی و ابدی ہے، یعنی اس کی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا۔ اللہ کے علاوہ کوئی ازلی و ابدی نہیں۔

۲۔ **قادر:** اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، یعنی اسے ہر شئے اور ہر امر پر قدرت حاصل ہے۔

۳۔ **عالم:** اللہ تعالیٰ عالم ہے، یعنی وہ ہر چیز کو جانتا ہے حتیٰ کہ ہمارے دلی ارادے اور پوشیدہ خواہشات بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔

۴۔ **حیّ:** اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

۵۔ **مُرید:** اللہ تعالیٰ ہر کام اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے۔ وہ کسی کام کو مجبوری کی بنا پر نہیں کرتا۔

۶۔ **مُدرِک:** اللہ تعالیٰ ہر چیز کا ادراک رکھتا ہے۔ مثلاً وہ سمیع اور بصیر ہے یعنی وہ بغیر آنکھ اور کان کے ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے۔

۷۔ **مُتکلّم:** اللہ تعالیٰ کلام کا پیدا کرنے والا ہے۔ یعنی وہ کسی بھی چیز میں قوت گویائی پیدا کر سکتا ہے، جیسے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے درخت میں اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پردہ میں کلام پیدا کیا تھا۔

۸۔ **صادِق:** اللہ تعالیٰ اپنے کلام اور وعدوں میں سچا ہے۔

خداوند عالم کے صفات کو معین اور محدود کرنا محال ہے، یہ فہرست کامل نہیں، پھر بھی اللہ کی عظمت کو سمجھنے میں یہ صفتیں اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ صفات حاصل نہیں کی گئیں یا یوں کہو اکتسابی نہیں ہیں بلکہ الوہیت کے مفہوم میں شامل ہیں۔

صفاتِ سلبیہ

ان منفی صفات کو جو خدا میں نہیں پائی جا سکتیں، صفاتِ سلبیہ کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کی عظمت سے پست تر ہیں۔ ان کی تعداد زیادہ ہے لیکن صفاتِ ثبوتیہ کی طرح صرف آٹھ کو بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ **شریک:** اللہ کی الوہیت میں نہ کوئی اس کا ساتھی ہے نہ شریک۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

۲۔ **مُرکّب:** یعنی کوئی ترکیب یافتہ شے۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے نہ بنایا گیا ہے اور نہ ترکیب یافتہ ہے۔ وہ ذہن میں بھی قابلِ تقسیم نہیں۔

۳۔ **مَکان:** یعنی جگہ۔ اللہ تعالیٰ کسی مکان یا جگہ میں نہیں ہے کیونکہ اس کا جسم نہیں ہے اور وہ ہر جگہ موجود ہے، چونکہ اس کی قدرت اور اس کا علم ہر جگہ نمایاں ہے۔

۴۔ **حُلول:** حلول یعنی کسی چیز میں داخل ہونا۔ کوئی بھی چیز خدا میں حلول نہیں کر سکتی، نہ خدا کسی شخص یا چیز میں حلول کر سکتا ہے۔ لہٰذا حلول کا عقیدہ چاہے کسی بھی شکل میں ہو، وحدانیتِ الٰہی کے صریح مخالف ہے۔

۵۔ **محلِّ حوادِث:** یعنی وہ چیز یا جگہ جس پر تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تغیر پذیر نہیں ہے۔

۶۔ **مرئی:** یعنی قابلِ دِید شے۔ اللہ تعالیٰ دیکھا نہیں جا سکتا، نہ وہ دیکھا گیا ہے، نہ دیکھا جا رہا ہے اور نہ دیکھا جائے گا۔

۷۔ **اِحتیاج:** اللہ تعالیٰ کسی بھی لحاظ سے کسی کا محتاج نہیں، کیونکہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

۸۔ **صفتِ زائد:** اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے جدا اور علیحدہ نہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ خدا قادر اور رحیم ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی ذات اور یہ صفات دو علیحدہ وجود ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس میں طاقت و قوت نہیں ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد روز بروز اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ طاقت بچہ کی ذات کا حصہ نہیں ہے۔ لیکن خدا ایسا نہیں، وہ خود ہی طاقت، رحم، علم، عَدل، خیر اور حق ہے۔

ان بیانات سے واضح ہو گیا ہو گا کہ اسلام کی نظر میں "اللہ" خدا کا ذاتی نام ہے جسے مثبت اور منفی صفات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ دوسرے الفاظ میں "اللہ" خالق کائنات، قائم بِالذّات، واجبُ الوجود، تمام کمالات کا منبع اور ہر نقص سے مُنَزَّہ ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

۲۸۔ خدا کے نام

اسلام میں خدا کا نام "اللہ" ہے۔ "اللہ" یعنی وہ ذات جو اس کا استحقاق رکھتی ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور وہ ذات جس میں ہر شخص پناہ لیتا ہے۔ یہ لفظ لغوی اعتبار سے منفرد ہے، اس لفظ کی نہ جمع ہے، نہ تانیت۔ لہٰذا خود یہ نام اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے کہ اللہ ایک اور صرف ایک ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ کوئی برابر۔ اس لفظ کو صحیح طور پر لفظ GOD سے ترجمہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ GOD کی جمع GODS اور تانیت GODDESS ہوتی ہے۔

اللہ تعالٰی کے دو اور نام ہیں جو زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں - "الرَّحْمٰن" اور "الرَّحِیم"۔

"الرَّحْمٰن": یہ نام اللہ تعالٰی کی اس رحمت کا مظہر ہے جو اس کائنات کی ہر شئے اور ہر انسان کو چاہے وہ کسی بھی عقیدہ کا حامل ہو، اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ وہ ہر چیز کو اور ہر انسان کو خلق کرتا ہے اور اسے رزق دیتا ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے۔

"الرَّحِیم": یہ نام اللہ تعالٰی کی اس رحمت کا مظہر ہے جو قیامت کے روز صرف مُومنین کے سر پر سایہ فگن ہو گی، اس میں کافر اور منافق شامل نہ ہوں گے۔

یہ دو نام خدا کی رحمت کے دو مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ اس دنیا میں خدا کی رحمت جسے "الرَّحْمٰن" سے تعبیر کیا جاتا ہے، عام ہے اور اُخروی رحمت جسے "الرَّحِیم" سے تعبیر کیا جاتا ہے، خاص اور محدود ہے۔

"الرَّحْمٰن" اللہ تعالٰی کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال نہیں ہوتا ہے، اسی وجہ سے امام علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "الرَّحْمٰن خاص نام ہے (اللہ کے لئے) جو عام رحمت کا مظہر ہے اور الرَّحِیم ایک عام نام ہے جو خاص رحمت کا مظہر ہے۔"

Presented By: https://jafrilibrary.com

۲۹۔ الاسماءُ الحسنیٰ

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے لئے ۹۹ اسماء ذکر کئے جاتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔	اللہ	خدائے واحد کا خاص نام
۲۔	الرَّحْمٰنُ	رحم کرنے والا
۳۔	الرَّحِیمُ	رحم کرنے والا
۴۔	الْمَلِکُ	حکمراں
۵۔	القُدُّوسُ	پاکیزہ - منزہ
۶۔	السَّلَامُ	امن و امان
۷۔	الْمُؤْمِنُ	جو قابل اعتماد ہو
۸۔	الْمُهَیْمِنُ	محافظ و نگہبان
۹۔	الْعَزِیزُ	طاقت ور
۱۰۔	الْجَبَّارُ	بہت ہی طاقت ور
۱۱۔	الْمُتَکَبِّرُ	بہت ہی عظیم
۱۲۔	الْخَالِقُ	پیدا کرنے والا
۱۳۔	الْبَارِئُ	(عدم سے) خلق کرنے والا

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۴۔	اَلْمُصَوِّرُ	صورت بنانے والا
۱۵۔	اَلْغَفَّارُ	بخشنے والا
۱۶۔	اَلْقَهَّارُ	طاقت ور، غالب
۱۷۔	اَلْوَهَّابُ	عطا کرنے والا
۱۸۔	اَلرَّزَّاقُ	رزق دینے والا
۱۹۔	اَلْفَتَّاحُ	کھولنے والا
۲۰۔	اَلْعَلِیْمُ	جاننے والا
۲۱۔	اَلْقَابِضُ	اکٹھا کرنے والا، سمیٹنے والا
۲۲۔	اَلْبَاسِطُ	پھیلانے والا
۲۳۔	اَلْخَافِضُ	جھکانے والا
۲۴۔	اَلرَّافِعُ	اٹھانے والا
۲۵۔	اَلْمُذِلُّ	مغلوب کرنے والا
۲۶۔	اَلْمُعِزُّ	عزت دینے والا
۲۷۔	اَلسَّمِیْعُ	سننے والا
۲۸۔	اَلْبَصِیْرُ	دیکھنے والا

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۲۹۔	اَلْحَکَمُ	فیصلہ کرنے والا
۳۰۔	اَلْعَدْلُ	انصاف کرنے والا
۳۱۔	اَللَّطِیفُ	لطف کرنے والا
۳۲۔	اَلْخَبِیرُ	سب کچھ جاننے والا
۳۳۔	اَلْحَلِیمُ	حلم والا
۳۴۔	اَلْعَظِیمُ	بزرگی والا
۳۵۔	اَلْغَفُورُ	بخشنے والا
۳۶۔	اَلشَّکُورُ	شکر کرنے والا
۳۷۔	اَلْعَلِیُّ	بلند
۳۸۔	اَلْکَبِیرُ	بزرگ
۳۹۔	اَلْحَفِیظُ	حفاظت کرنے والا
۴۰۔	اَلْمُقِیتُ	روزی دینے والا
۴۱۔	اَلْحَسِیبُ	حساب لینے والا
۴۲۔	اَلْجَلِیلُ	عزت والا
۴۳۔	اَلْکَرِیمُ	کرم کرنے والا

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۴۴۔	الرَّقِیبُ	نگہبان
۴۵۔	الْمُجِیبُ	(دعائیں) سننے والا
۴۶۔	الْوَاسِعُ	توانگری دینے والا
۴۷۔	الْحَکِیمُ	حکمت والا
۴۸۔	الْوَدُودُ	محبت کرنے والا
۴۹۔	الْمَجِیدُ	شان و عظمت والا
۵۰۔	الْمَاجِدُ	عزت والا
۵۱۔	الْبَاعِثُ	قبر سے اٹھانے والا
۵۲۔	الشَّہِیدُ	گواہ
۵۳۔	الْحَقُّ	سچائی
۵۴۔	الْوَکِیلُ	امین
۵۵۔	الْقَوِیُّ	طاقت ور
۵۶۔	الْمَتِینُ	مضبوط
۵۷۔	الْوَلِیُّ	مالک و حاکم
۵۸۔	الْحَمِیدُ	قابل حمد

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۵۹۔	اَلْمُحْصِي	حساب کرنے والا
۶۰۔	اَلْمُبْدِئُ	شروع کرنے والا (پیدا کرنے والا)
۶۱۔	اَلْمُعِيدُ	دوبارہ لانے والا (دوبارہ زندہ کرنے والا)
۶۲۔	اَلْمُحْيِي	زندہ کرنے والا
۶۳۔	اَلْمُمِيتُ	موت دینے والا
۶۴۔	اَلْحَيُّ	زندہ
۶۵۔	اَلْقَيُّومُ	ہمیشہ باقی رہنے والا
۶۶۔	اَلْواحِدُ	ایک
۶۷۔	اَلاَحَدُ	یکتا، بے نظیر
۶۸۔	اَلصَّمَدُ	ہر طرح سے کامل
۶۹۔	اَلْقَادِرُ	قدرت والا
۷۰۔	اَلْمُقْتَدِرُ	اقتدار والا
۷۱۔	اَلْمُقَدِّمُ	بڑھانے والا
۷۲۔	اَلْمُؤَخِّرُ	پیچھے ہٹانے والا
۷۳۔	الاوَّلُ	پہلا

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۷۴۔	الاٰخِرُ	آخر
۷۵۔	الظَّاہِرُ	ظاہر
۷۶۔	الْبَاطِنُ	پوشیدہ
۷۷۔	الْوَالِي	مالک
۷۸۔	الْمُتَعَالِي	بہت بلند
۷۹۔	الْبَرُّ	مہربان
۸۰۔	التَّوَّابُ	معاف کرنے والا
۸۱۔	الْمُنْتَقِمُ	بدلہ لینے والا
۸۲۔	العَفُوُّ	معاف کرنے والا
۸۳۔	الرَّؤُفُ	مہربان
۸۴۔	مَالِکُ الْمُلْکِ	سلطنت کا مالک
۸۵۔	ذُوالْجَلَالِ وَالاِکْرَامِ	بزرگی و اکرام والا
۸۶۔	الْمُقْسِطُ	عادل
۸۷۔	الْجَامِعُ	سب کو اکٹھا کرنے والا
۸۸۔	الْغَنِيُّ	غنی، غیر محتاج

Presented by: https://jafrilibrary.com

۸۹۔	اَلْمُغْنِيُّ	روکنے والا
۹۰۔	اَلْمَانِعُ	توانگری دینے والا
۹۱۔	الضَّارَّ	نقصان پہنچانے والا
۹۲۔	النَّافِعُ	نفع پہنچانے والا
۹۳۔	النُّورُ	روشنی
۹۴۔	اَلْهَادِي	راہ بتانے والا
۹۵۔	اَلْبَدِيعُ	(بغیر کسی مثال کے) پیدا کرنے والا
۹۶۔	اَلْبَاقِي	ہمیشہ باقی رہنے والا
۹۷۔	اَلْوَارِثُ	وارث
۹۸۔	الرَّشِيدُ	ہادی
۹۹۔	الصَّبُورُ	صبر والا

Presented By: https://jafrilibrary.com

۳۰۔ صفاتِ ذات اور صفاتِ افعال

سوال: اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک "اَلْخَالِقُ" ہے۔ چونکہ اللہ ہمیشہ سے خالق ہے تو کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ مخلوقات یعنی کائنات بھی ہمشہ سے ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ ازل سے تخلیق نہیں کر رہا تھا۔ اگر آپ غور سے مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ خدا کہ صفات کو دو گروہ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

Presented by: https://jafrilibrary.com

ایک وہ صفات ہیں جو کبھی بھی تصور الوہیت سے یا خدا کی ذات سے جدا نہیں۔ مثال کے طور پر خدا قادر، علیم اور حیّ ہے، یہ وہ صفتیں ہیں جو خدا کی ذات سے کبھی بھی علیحدہ نہیں ہو سکتیں کیوں کہ کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جب خدا قادر، علیم یا حیّ نہیں ہو۔ وہ ازل سے قادر، علیم اور حیّ ہے اور ابد تک قادر، علیم اور حیّ رہے گا۔

ان صفات کا تعلق خدا کی ذات سے ہے لہٰذا انہیں "صفاتِ ذات" (الصفات الذاتیہ) کہا جاتا ہے۔

دوسرے وہ صفات ہیں جو اللہ تعالٰی کے افعال کو بیان کرتے ہیں، مثال کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ خالق، رزاق وغیرہ ہے۔ یہ وہ صفتیں ہیں جو خدا کے افعال کو بتاتی ہیں لہٰذا انہیں "صفاتِ افعال" (الصفات الفعلیہ) کہا جاتا ہے۔

یہ افعال ازل سے نہیں تھے لہٰذا یہ صفتیں خدا کے لئے ہمیشہ استعمال نہیں کی جا سکتیں۔ آپ جانتے ہیں اللہ "المرید" ہے یعنی وہ اپنی مشیّت اور اپنے ارادے کے مطابق عمل کرتا ہے۔ وہ آگ کی طرح نہیں جو اپنے ارادہ اور منشاء کے بغیر جلتی ہے اور نہ وہ آفتاب کی طرح ہے جو اپنے ارادہ اور اختیار کے بغیر حرارت اور نور دیتا ہے۔ اللہ تعالٰی اپنے منشاء اور پلان کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اس نے جب چاہا اس وقت خلق کیا۔ اس سے قبل نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ خدا خلقت پر قادر نہیں تھا۔ خلقت کی قدرت ہمیشہ سے اس میں تھی کیونکہ "قدرت" اس کی ذات سے الگ نہیں۔ لیکن اس قدرت کا اظہار اور اس کا عمل میں لانا، یہ ازل سے نہیں تھا۔ مختصر یہ کہ خلقت کی قدرت اللہ میں ازل سے تھی، لیکن وہ ازل سے تخلیق نہیں کر رہا تھا اور جب اس نے خلق کیا تو وہ خالق کہلایا، اس سے پہلے نہیں۔ اس طرح جب اس نے رزق عطا کیا تو رازق کہلایا، جب اس نے مغفرت کی تو غفّار کہلایا، جب اس نے انتقام لیا تو قہّار کہلایا، جب اس نے زندگی بخشی تو مُحیِی کہلایا، اور جب اس نے موت دی تو مُمِیتُ کہلایا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ناشر:

المعارف فاؤنڈیشن

ٹورانٹو، کینیڈا

www.al-m.ca | publications@al-m.ca | (+1-416) 624-7861

Presented by: https://jafrilibrary.com